اُردو قواعد اور انشا

ثانوی اور اعلیٰ ثانوی درجات کے لیے

विद्ययाऽमृतमश्नुते
एन सी ई आर टी
NCERT

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

ISBN 978-93-5007-205-9

پہلا ایڈیشن

ستمبر 2012 آشوین 1934

دیگر طباعت

نومبر 2013 اگھن 1935

دسمبر 2014 پوش 1936

PD 6T SPA

© نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، 2012

قیمت : ₹ 95.00

این سی ای آر ٹی واٹر مارک 80 جی ایس ایم کاغذ پر شائع شدہ

سکریٹری، نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، شری اروندو مارگ، نئی دہلی نے ڈی۔ کے۔ پرنٹرس، 5/34، کرتی نگر، انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی-110015 میں چھپوا کر پبلی کیشن ڈویژن سے شائع کیا۔

Urdu Qawaid aur Insha (Urdu Grammar for Secondary and Senior Secondary Stages)

جُملہ حقوق محفوظ

- ناشر کی پہلے سے اجازت حاصل کیے بغیر، اس کتاب کے کسی بھی حصے کو دوبارہ پیش کرنا، یادداشت کے ذریعے بازیافت کے سسٹم میں اس کو محفوظ کرنا یا برقیاتی، میکانیکی، فوٹو کاپینگ، ریکارڈنگ کے کسی بھی وسیلے سے اس کی ترسیل کرنا منع ہے۔
- اس کتاب کو اس شرط کے ساتھ فروخت کیا جا رہا ہے کہ اسے ناشر کی اجازت کے بغیر، اس شکل کے علاوہ جس میں کہ یہ چھاپی گئی ہے یعنی، اس کی موجودہ جلد بندی اور سرورق میں تبدیلی کر کے، تجارت کے طور پر نہ تو مستعار دیا جا سکتا ہے، نہ دوبارہ فروخت کیا جا سکتا ہے، نہ کرایہ پر دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی تلف کیا جا سکتا ہے۔
- کتاب کے صفحہ پر جو قیمت درج ہے وہ اس کتاب کی صحیح قیمت ہے۔ کوئی بھی نظر ثانی شدہ قیمت چاہے وہ ربر کی مہر کے ذریعے یا چٹپی یا کسی اور ذریعے ظاہر کی جائے تو وہ غلط متصوّر ہوگی اور ناقابلِ قبول ہوگی۔

این سی ای آر ٹی کے پبلی کیشن ڈویژن کے دفاتر

این سی ای آر ٹی کیمپس
سری اروندو مارگ
نئی دہلی - 110016 **فون** 011-26562708

108,100 فِٹ روڈ ہوسڈے کیرے **ہیلی**
ایکسٹینشن بناشنکری III اسٹیج
بنگلور - 560085 **فون** 080-26725740

نوجیون ٹرسٹ بھون
ڈاک گھر، نوجیون
احمد آباد - 380014 **فون** 079-27541446

سی ڈبلیو سی کیمپس
بمقابل ڈھانکل بس اسٹاپ، پانی ہاٹی
کولکتہ - 700114 **فون** 033-25530454

سی ڈبلیو سی کامپلیکس
مالی گاؤں
گواہاٹی - 781021 **فون** 0361-2674869

اشاعتی ٹیم

ہیڈ پبلی کیشن ڈویژن : این۔ کے۔ گپتا
چیف پروڈکشن آفیسر : کلیان بنرجی
چیف بزنس منیجر : گوتم گانگولی
چیف ایڈیٹر : شویتا اُپّل
ایڈیٹر : سید پرویز احمد
پروڈکشن آفیسر : ارون چتکارا

پیش لفظ

’قومی درسیات کا خاکہ-2005‘ میں سفارش کی گئی ہے کہ بچّوں کی اسکولی زندگی، ان کی باہر کی زندگی سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ یہ زاویۂ نظر کتابی آموزش کی اُس روایت کی نفی کرتا ہے جس کے باعث آج تک ہمارے نظام میں اسکول، گھر اور سماج کے درمیان فاصلے حائل رہے ہیں۔ نئے قومی درسیات پر مبنی نصاب اور درسی کتابوں کی تیاری اسی بنیادی مقصد پر عمل آوری کی ایک کوشش کہی جا سکتی ہے۔ اس کوشش میں مختلف مضامین کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے اور رٹ کر پڑھنے کے طریقۂ کار کی حوصلہ شکنی بھی شامل ہے۔ ہمیں امّید ہے کہ ان اقدامات سے قومی تعلیمی پالیسی (1986) میں مذکور تعلیم کے ’طفل مرکوز نظام‘ کی طرف مزید پیش رفت ہوگی۔

اس کوشش کی کامیابی کا انحصار ان اقدامات پر ہے کہ اسکولوں کے پرنسپل اور اساتذہ اپنے تاثرات خود ظاہر کرنے اور ذہنی سرگرمیوں اور سوالوں کے ذریعے سیکھنے کے سلسلے میں بچوں کی ہمّت افزائی کریں۔ ہمیں یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیے کہ بچّوں کو اگر موقع، وقت اور آزادی دی جائے تو وہ بڑوں سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر نئی معلومات مرتّب کرتے ہیں۔ آموزش کے دوسرے ذرائع اور محلِ وقوع کو نظر انداز کرنے کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب، مجوّزہ نصابی کتاب کو امتحان کے لیے واحد ذریعہ بنانا ہے۔ بچّوں کے اندر تخلیقی صلاحیت اور پیش قدمی کے رجحان کو فروغ دینا اُسی وقت ممکن ہے جب ہم آموزشی عمل میں بچّوں کو بہ حیثیت شریک کار قبول کریں اور ان سے اُسی طرح پیش آئیں۔ انھیں محض مقرّرہ معلومات کا جانکار نہ سمجھیں۔

یہ مقاصد اسکول کے نظام الاوقات (Time-Table) اور طریقۂ کار میں معقول تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ روز مرّہ معمولات میں نرمی کی اتنی ہی اہمیت یا ضرورت ہے جتنی کہ سالانہ کیلینڈر کے نفاذ اور محنت کی، تاکہ تدریس کے لیے دستیاب مدّت کو حقیقتاً تدریس کے لیے وقف کیا جا سکے۔ تدریس اور اندازِ قدر کے طریقوں سے بھی اس امر کا تعیّن ہوگا کہ یہ نصابی کتاب بچّوں میں ذہنی تناؤ اور اکتاہٹ پیدا کرنے کے بجائے ان کی اسکولی زندگی کو خوش گوار بنانے میں کس حد تک موثّر ثابت ہوتی ہے۔ نصابی بوجھ کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے نصاب سازوں نے مختلف سطحوں پر معلومات کی تشکیلِ نو اور اُسے نیا رخ دینے کی غرض سے بچّوں کی نفسیات اور تدریس کے لیے دستیاب وقت پر زیادہ سنجیدگی کے ساتھ توجّہ دی ہے۔ اس مخلصانہ کوشش کو مزید

بہتر بنانے کے لیے یہ نصابی کتاب سوچنے اور حیرتوں کو جگائے رکھنے، چھوٹے گروپوں میں بحث و مباحثہ کو فروغ دینے اور عملاً انجام دی جانے والی سرگرمیوں کو زیادہ اوّلیت دیتی ہے۔

این سی ای آر ٹی اس کتاب کے لیے تشکیل دی جانے والی ''کمیٹی برائے اُردو قواعد اور انشا'' کی مخلصانہ کوششوں کی شکر گزار ہے۔ کونسل زبانوں کی مشاورتی کمیٹی برائے زبان کے چیئر مین پروفیسر نامور سنگھ اور اس کتاب کے خصوصی صلاح کار پروفیسر شمیم حنفی کی ممنون ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں جن اساتذہ نے حصّہ لیا، ہم ان کے متعلقہ اداروں کے بھی شکر گزار ہیں۔ ہم ان سبھی اداروں اور تنظیموں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنے وسائل، مآخذ اور عملے کی فراہمی میں فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ ہم وزارت برائے فروغ انسانی وسائل، حکومتِ ہند کے شعبے برائے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کی جانب سے پروفیسر مرنال مری اور پروفیسر جی۔ پی۔ دیش پانڈے کی سربراہی میں تشکیل شدہ نگراں کمیٹی (مانیٹرنگ کمیٹی) کے اراکین کا بھی خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنا قیمتی وقت اور تعاون ہمیں دیا۔ باضابطہ اصلاح اور اپنی اشاعت کے معیار کو مسلسل بہتر بنانے کے مقصد کی پابند ایک تنظیم کے طور پر این سی ای آر ٹی تمام مشوروں اور آرا کا خیر مقدم کرتی ہے تاکہ کتاب کو مزید غور و فکر کے بعد اور زیادہ کارآمد اور بامعنی بنایا جاسکے۔

نئی دہلی
فروری 2011

ڈائریکٹر
نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

اس کتاب کے بارے میں

اردو میں قواعد کی کتابیں مرتّب کرنے کی روایت کم و بیش دوسو برسوں کو محیط ہے۔ انیسویں صدی میں اردو زبان و قواعد کی طرف جن حضرات نے توجہ کی تھی اُن میں بیش تر غیر ملکی تھے۔ اُن کے پیشِ نظر مقامی یا اردو زبان کے طلبا نہیں تھے۔ انھوں نے یہ کتابیں اُن بدیسی یا غیر اردوداں حضرات کے لیے مرتّب کی تھیں جو اردو زبان کو اُس کی نزاکتوں اور باریکیوں کے ساتھ جاننا، سمجھنا اور اس میں مہارت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اردو قواعد کی تاریخ میں اِن کاموں کی بھی خاص اہمیت ہے۔

قواعد کا علم ہمیں صحیح اور غلط کی آگہی فراہم کرتا ہے اور یہ بھی سکھاتا ہے کہ لفظوں کی تشکیل کیسے عمل میں آتی ہے۔ تحریر و تقریر کو پُر اثر اور پُر معنی بنانے کے لیے قواعد کے مختلف وسائل کو کام میں لایا جاسکتا ہے۔ قواعد کا علم اظہار کے متعدد پیرایوں کی طرف ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔

ہر علم کا اپنا ایک اصطلاحاتی نظام ہوتا ہے۔ اصطلاحی لفظ لغوی معنی سے زیادہ کسی نہ کسی وسیع تصّور کا حامل ہوتا ہے۔ قواعد کی اصطلاحات یہ اشارہ کرتی ہیں کہ تحریری اور زبانی سطح پر زبان کے استعمال کے کتنے طریقے ممکن ہیں اور وہ کون سے اصول ہیں جو ان کی تہہ میں کارفرما ہوتے ہیں۔

قواعد کے اصولوں کو مرتّب کرنے کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ زبان کے مختلف اسالیب کے سلسلے میں وہ ہماری رہ نمائی کرسکیں۔ قواعد کی اکثر کتابیں طلبا کی ضرورت کے پیشِ نظر تیار کی گئی ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ یہ کتابیں تفہیم و توضیح کے عمل کو سہل بنا کر پیش کرتیں لیکن اُنھیں اصطلاحات کی پہلے سے طے شدہ، مبہم یا کسی قدر پیچیدہ تعریفوں میں اُلجھا دیا گیا۔ نتیجتاً ہمارے طلبا بغیر سوچے سمجھے انھیں رٹ کر یاد کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے اساتذہ کی کثیر تعداد اسی پُرانے ڈھرّے پر قائم ہے۔ اس وجہ سے بچّوں میں قواعد فہمی سے رغبت پیدا نہیں ہو پاتی۔ قواعد کی اس کتاب کی تیاری میں نہایت آسان اور رواں زبان استعمال کی گئی ہے۔ خصوصی طور پر اُن لفظوں، فقروں اور ترکیبوں سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے جن سے ترسیل و تحصیل کا عمل دشوار تر ہوجاتا ہے۔ ہماری تاکید اسی امر پر رہی ہے کہ طلبا استاد کی مدد کے بغیر قواعد کے اصولوں کو سمجھ سکیں اور ان اصولوں اور وضاحتوں کو رٹ کر یاد کرنے کے بجائے اپنی آگہی کا حصّہ بنا سکیں۔

نصابی کتابوں کی ترتیب کے لیے جو رہنما اصول وضع کیے گئے ہیں، اُن میں بچّوں کی عمر اور درجات ہی نہیں اُن کے ذہنی اور نفسیاتی تقاضوں کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے تا کہ تحصیلِ علم کے دوران بچّوں کی دلچسپی اور انہماک برقرار رہ سکے۔

این سی ای آرٹی نے قومی درسیات کا خاکہ- 2005 کے تحت درسی کتابوں کا جو معیار پیش کیا ہے اور جو رہنما اصول وضع کیے ہیں، وہ دوسرے کئی تعلیمی اداروں کے لیے ماڈل کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ کئی صوبوں کے نصابات میں این سی ای آرٹی کی کتابوں کو بڑی اہمیت کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ قواعد کی یہ کتاب ہمارے وسیع تر منصوبوں میں سے ایک ہے۔ ہمیں امید ہے کہ طلبا اس سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہوں گے۔ قواعد کی تفہیم میں اضافہ ہوگا اور اُن میں زبان کی باریکیوں اور نزاکتوں کو مزید جاننے کے لیے تحریک پیدا ہوگی۔

کمیٹی برائے اُردو قواعد اور انشا

چیئرمین، مشاورتی کمیٹی برائے زبان

نامور سنگھ، پروفیسر ایمیریٹس، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

خصوصی صلاح کار

شمیم حنفی، پروفیسر ایمیریٹس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

چیف کوآرڈی نیٹر

رام جنم شرما، سابق پروفیسر اینڈ ہیڈ، ڈپارٹمنٹ آف لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

اراکین

آفاق حسین صدیقی، پروفیسر (ریٹائرڈ) مادھو کالج، اجین

اقبال مسعود، سابق جوائنٹ سکریٹری، مدھیہ پردیش اردو اکادمی، بھوپال

خواجہ محمد اکرام الدین، پروفیسر، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

راجیش مشرا، ایسو سی ایٹ پروفیسر، آر آئی ای، اجمیر

رضوان الحق، اسسٹنٹ پروفیسر، آر آئی ای، بھوپال

سلیم شہزاد، اردو استاد (ریٹائرڈ)، مالیگاؤں

شمیم احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، سینٹ اسٹیفنس کالج، دہلی

عبدالرشید، لیکچرر، اردو خط کتابت کورس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

عتیق اللہ، پروفیسر (ریٹائرڈ) دہلی یونیورسٹی، دہلی

غضنفر علی، ڈائریکٹر، اکاڈمی فار پروفیشنل ڈیولپمنٹ آف اردو میڈیم ٹیچرس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

قاسم خورشید، ہیڈ، ایس سی ای آر ٹی، پٹنہ بہار

محمد ذاکر، پروفیسر (ریٹائرڈ) **جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی**

محمد فیروز، ریڈر (ریٹائرڈ) **ذاکر حسین کالج، نئی دہلی**

محمد نفیس حسن، لکچرار اردو، **گورنمنٹ بوائز سینئر سیکنڈری اسکول، بیلا روڈ، دریا گنج، دہلی**

وسیم بیگم، ریجنل اسسٹنٹ ڈائریکٹر، **مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، نئی دہلی**

ممبر کوآرڈی نیٹر

محمد نعمان خاں، پروفیسر، (ریٹائرڈ) **ڈپارٹمنٹ آف لینگویجیز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی**

دیوان حنان خاں، ایسوسی ایٹ پروفیسر، **ڈپارٹمنٹ آف لینگویجیز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی**

اظہارِ تشکر

اس کتاب کی تیاری میں ڈی ٹی پی آپریٹر محمد عارف رضا، فلاح الدین فلاحی اور کمپیوٹر اسٹیشن انچارج پرش رام کوشک نے دلچسپی سے حصّہ لیا ہے۔ کونسل ان سب کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

گاندھی جی کا طلسم

میں تمھیں ایک طلسم دیتا ہوں۔ جب بھی تم شک وشبہ میں مبتلا ہو جاؤ یا تمھارا نفس تم پر حاوی ہونے لگے تو اس تجربہ کو آزماؤ:

جو سب سے غریب اور کمزور آدمی تم نے دیکھا ہو اُس کی شکل یاد کرو اور اپنے آپ سے پوچھو کہ جو قدم اُٹھانے کے بارے میں تم سوچ رہے ہو وہ اُس آدمی کے لیے کتنا مفید ہوگا۔ کیا اس سے اُسے کچھ فائدہ پہنچے گا؟ کیا اس سے وہ اپنی زندگی اور مقدر پر کچھ قابو پا سکے گا؟ دوسرے لفظوں میں کیا اس سے اُن کروڑوں لوگوں کو سوراج مل سکے گا جن کے پیٹ بھوکے اور رُوحیں بے چین ہیں۔

تب تم دیکھو گے کہ تمھارا شبہ مٹ رہا ہے اور نفس زائل ہو رہا ہے۔

م. ک. گاندھی

ترتیب

پیش لفظ *iii*

اس کتاب کے بارے میں *v*

حصّہ (الف)

- اسم (اسم کی قسمیں) 02-06
- ضمیر (ضمیر کی قسمیں) 07-08
- فعل (فعل کی قسمیں) 09-13
- صفت (صفت کی قسمیں) 14-15
- حروف 16-20
- واحد جمع 21-24
- جنس (تذکیر وتانیث) 25-27
- مترادف الفاظ 28
- متضاد الفاظ 29
- مرکّب الفاظ 30
- سابقہ اور لاحقہ 31-33
- روزمرّہ 34
- محاورے 35
- کہاوت (ضرب الامثال) 36-37

- فقرہ 38
- جُملہ 39-42
- رموزِ اوقاف 43-46

حصّہ (ب) 47

شعر کا فن: شعر مصرعہ وزن و بحر قافیہ ردیف 48-55

شعری ہیئتیں: مُسمّط مثلّث مربّع مخمّس مسدّس مسبّع مثمّن متسّع معشّر ترجیع بند ترکیب بند فرد بیت 56-57

علمِ بیان: تشبیہ استعارہ کنایہ مجاز مرسل 58-63

علمِ بدیع: تجنیس لف و نشر مراعاۃ النّظیر تضاد تلمیح حُسنِ تعلیل ایہام مبالغہ 64-73

حصّہ (ج) 74

نثری اصناف: داستان ناول افسانہ ڈراما مضمون انشائیہ سوانح خاکہ رپورتاژ سفرنامہ 75-85

شعری اصناف: غزل قصیدہ مرثیہ مثنوی رباعی قطعہ نظم 86-95

حصّہ (د) 96

انشا نگاری: درخواست نویسی خط نویسی مضمون نویسی خبر نویسی اشتہار نویسی 97-104

حصّہ (ہ) 105

قواعد کی اصطلاحات 106-123

حصّه (الف)

اسم
(Noun)

درج ذیل عبارت کو غور سے پڑھیے:

''حامد، شاہد اور موہن دہلی کا لال قلعہ دیکھنے گئے۔ دہلی کی تاریخی عمارتوں میں لال قلعہ، قطب مینار، جامع مسجد اور پرانا قلعہ بہت مشہور ہیں۔ لال قلعہ مغل بادشاہ شاہ جہاں نے بنوایا تھا۔ یہ قلعہ لال پتھر کا بنا ہوا ہے۔ تینوں لڑکوں نے ٹکٹ خریدے اور قلعے کے اندر گئے۔ قلعے میں کئی عمارتیں بنی ہوئی ہیں لیکن موتی مسجد کی خوبصورتی کا کوئی جواب نہیں۔ اسے دیکھ کر لڑکوں کو بہت خوشی ہوئی۔''

تین لڑکے لال قلعہ دیکھ رہے ہیں

شاہ جہاں

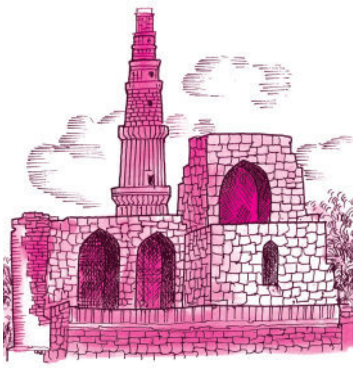

قطب مینار

آپ نے دیکھا، اس عبارت کے پہلے جملے میں پانچ نام آئے ہیں۔ حامد، شاہد اور موہن اشخاص کے نام ہیں جب کہ دہلی اور لال قلعہ جگہ کے نام ہیں۔ ان کے علاوہ پتّھر اور ٹکٹ بھی کسی چیز کے نام ہیں، آخری جملے میں خوشی ایک کیفیت کا نام ہے۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ: ''کسی شخص، جگہ، چیز اور کیفیت کے نام کو اسم کہتے ہیں۔''

اوپر دی ہوئی عبارت میں حامد، شاہد اور موہن تینوں کو 'لڑکوں' کہا گیا ہے۔ اسی طرح لال قلعہ، قطب مینار، جامع مسجد اور پرانے قلعے کے لیے 'عمارت' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ لڑکا اور عمارت ایسے نام ہیں جو ہر لڑکے اور ہر عمارت کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں۔ حامد، شاہد، موہن، لال قلعہ، موتی مسجد، دہلی، لڑکوں، عمارتوں اور جگہ کے خاص نام ہیں۔ حامد، شاہد یا موہن کے نام سے کسی اور کو نہیں پکارا جا سکتا۔ اسی طرح ہر قلعہ، ہر شہر اور ہر مسجد کو نہ تو لال قلعہ کہا جا سکتا ہے نہ موتی مسجد نہ دہلی۔

''کسی عام شخص، عام جگہ اور عام چیز کے نام کو اسمِ عام کہتے ہیں۔ اسم عام کو 'نکرہ' بھی کہا جاتا ہے۔''

''کسی خاص شخص، خاص جگہ اور خاص چیز کے نام کو اسمِ خاص کہتے ہیں۔ اسم خاص کو 'اسمِ معرفہ' بھی کہا جاتا ہے۔''

دنیا کے ہر شخص کو اس کے نام سے پکارا جاتا ہے لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنھیں اُن کے اصل نام کے علاوہ دوسرے نام، خطاب یا لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

نیچے دیے ہوئے جملوں سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی:

1. مولانا 'ابوالکلام آزاد' کا اصل نام محی الدین احمد ہے۔
2. سروجنی نائیڈو کو 'بلبلِ ہند' کہا جاتا ہے۔
3. سچن تندولکر کو اُن کی شاندار بلّے بازی کی وجہ سے انھیں 'ماسٹر بلاسٹر' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔
4. رگھوپتی سہائے اردو ادب میں 'فراق گورکھپوری' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔
5 حضرت عیسیٰؑ کو 'ابنِ مریم' بھی کہا جاتا ہے۔

ان جملوں میں سروجنی نائیڈو کے لیے 'بلبلِ ہند' اور سچن تندولکر کے لیے 'ماسٹر بلاسٹر' کے نام ان کے لقب کے طور پر استعمال کیے گئے ہیں۔ لقب اسمِ خاص کی ایک قسم ہے۔

''وہ نام جو کسی شخص کی خوبی یا کمال کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہو، اسے لقب کہتے ہیں۔''

اس کی مزید مثالیں ہیں : بابائے اردو (مولوی عبدالحق)، حکیم الامّت (اقبالؔ)، شاعرِ انقلاب (جوشؔ) خدائے سخن (میرؔ)، مصوّرِ غم (راشد الخیری) وغیرہ۔

خطاب بھی اسمِ خاص کی ایک قسم ہے۔

''وہ نام جو نمایاں خدمات کے لیے حکومت یا کسی ادارے کی طرف سے کسی شخص کو دیا جائے، اسے خطاب کہتے ہیں''۔

مثلاً: 'بھارت رتن'، 'پدم بھوشن'، 'پدم شری'، 'نجم الدولہ'، 'دبیر الملک'، 'خان بہادر'، 'شمس العلما'۔

تخلّص بھی اسمِ خاص کی ایک قسم ہے۔

اکثر شاعروں کا اپنے نام کے علاوہ ایک اور نام بھی ہوتا ہے، جسے وہ اپنی شاعری میں استعمال کرتے ہیں۔

اس طرح کے نام کو 'تخلّص' کہتے ہیں جیسے خواجہ میر کا تخلّص دردؔ، شیخ محمد ابراہیم کا تخلّص ذوقؔ اور الطاف حسین کا تخلّص حالیؔ۔

آپ نے اوپر لکھے ہوئے جملے میں ابنِ مریم پڑھا۔

حضرت عیسیٰؑ کو ان کی والدہ کے نام کی مناسبت سے ابنِ مریم یعنی مریم کا بیٹا کہا جاتا ہے۔ وطن، ماں، باپ اور خاندان کے تعلق سے جو نام مشہور ہو جاتے ہیں انھیں 'کنیت' کہتے ہیں۔ یہ اسمِ خاص کی ایک قسم ہے۔

اسمِ خاص کی طرح اسمِ عام کی بھی قسمیں ہیں۔ ان قسموں کو سمجھنے کے لیے نیچے دی ہوئی عبارت پڑھیے۔

''حامدہ نے اپنی بیٹی سے لوٹا مانگا۔ وہ لُٹیا لے آئی۔ دادی نے حامدہ سے کہا کہ ننّھے کے سامنے کٹورا، کٹوری اور گھنٹی رکھ دو۔ وہ کھیلتا رہے گا۔ اس کے آگے چاقو، قلم اور کنگھا رکھا ہے۔ ان چیزوں کو اٹھا لو۔ دادا نے ننّھے کو بہلانے کے لیے میاؤں میاؤں، غٹرغوں اور ککڑوکوں وغیرہ کی آوازیں نکالیں۔ دادی نے حامدہ سے پوچھا۔ دوپہر ہوگئی۔ زینب اب تک گھر نہیں آئی۔ وہ صبح سے بھوکی پیاسی ہوگی۔''

کٹورا

کٹوری

لوٹا

لُٹیا

صندوق

صندوقچہ

اس عبارت میں آپ نے کئی چیزوں کے نام پڑھے۔ جیسے لوٹا، لُٹیا، کٹورا، کٹوری، چاقو، قلم، میاؤں میاؤں، دوپہر، صبح، اسکول، گھر وغیرہ ۔ یہ سب اسمِ عام ہیں، لیکن اپنی خصوصیت کے اعتبار سے ان کی الگ الگ قسمیں ہیں۔

''وہ لفظ جو کسی چیز کو بڑا یا بھاری بھرکم کر کے ظاہر کرے، اسے اسمِ مکبّر کہتے ہیں۔'' جیسے: لٹیا سے لوٹا، پتیلی سے پتیلا، کٹوری سے کٹورا گھنٹی سے گھنٹہ وغیرہ۔

''وہ لفظ جو کسی چیز کو چھوٹا کر کے ظاہر کرے، اسے اسمِ مصغّر کہتے ہیں۔'' جیسے : صندوق سے صندوقچہ، باغ سے باغیچہ، کتاب سے کتابچہ وغیرہ۔

''وہ لفظ جو کسی ہتھیار، اوزار یا آلہ کا نام ظاہر کرے، اسے اسم آلہ کہتے ہیں۔'' جیسے: چاقو، قلم، تلوار، پیچ کس، ہتھوڑا، چھینی اور کنگھا وغیرہ۔

''وہ لفظ جو کسی جاندار یا بے جان اشیا کی مخصوص آوازوں کو ظاہر کرے، اُسے اسمِ صوت کہتے ہیں۔''

جیسے : میاؤں میاؤں، ککڑوکوں، ٹرٹر، غٹرغوں، چوں چوں، کھٹ کھٹ ، چھَن چھَن وغیرہ۔

''وہ لفظ جو کسی جگہ یا وقت کے نام کو ظاہر کرے، اسے اسمِ ظرف کہتے ہیں۔'' جیسے: گھر، کتب خانہ، چوراہا، اسکول، صبح، دوپہر، شام وغیرہ۔

وہ لفظ جس سے کسی مقام کا علم ہو اسے اسم ظرفِ مکاں کہتے ہیں۔

جیسے : عیدگاہ، اسکول، کتب خانہ وغیرہ۔

وہ لفظ جس سے وقت کا پتا لگے اُسے اسم ظَرفِ زماں کہتے ہیں۔

جیسے : صبح، دوپہر، کل، پرسوں وغیرہ۔

ضمیر

(Pronoun)

ان دونوں عبارتوں کو غور سے پڑھیے:

''حامد ایک بہادر نوجوان تھا۔ حامد بڑی ہمّت والا تھا۔ حامد نے ایک آدمی کو ڈوبنے سے بچایا۔ حامد کو سرکار نے انعام دیا۔ حامد کا نام ملک کے بہادر لوگوں میں شامل ہوگیا۔''

''حامد ایک بہادر نوجوان تھا۔ وہ بڑی ہمّت والا تھا۔ اس نے ایک آدمی کو ڈوبنے سے بچایا۔ اسے سرکار نے انعام دیا، اس کا نام ملک کے بہادر لوگوں میں شامل ہوگیا۔''

پہلی عبارت کے ہر جملے میں حامد آیا ہے۔ عبارت میں لفظ حامد کے بار بار آنے سے بدنمائی پیدا ہوگئی ہے۔ اس کے برعکس دوسری عبارت میں حامد صرف ایک جگہ یعنی پہلے جملے میں آیا ہے۔ باقی جملوں میں حامد کی جگہ 'وہ'، 'اس'، 'اسے' اور 'اس کا' جیسے الفاظ آئے ہیں۔ یہ چاروں لفظ ضمیر ہیں جو اسم یعنی حامد کی جگہ پر لائے گئے ہیں۔

''وہ لفظ جو اسم کی جگہ پر استعمال ہوتے ہیں، ضمیر کہلاتے ہیں۔''

''ضمیر کے استعمال سے اسم کی تکرار کی وجہ سے پیدا ہونے والی بدنمائی دور ہوتی ہے اور عبارت میں روانی اور خوبصورتی پیدا ہوجاتی ہے۔ یہاں حامد ایک شخص ہے اور 'وہ'، 'اس'، 'اسے' اور 'اس کا' یہ چاروں لفظ حامد کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔''

''وہ ضمیر جو کسی شخص کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اسے ضمیر شخصی کہتے ہیں۔''

اس کی تین صورتیں ہیں:

’’بات کرنے والا اپنے لیے جو ضمیر استعمال کرتا ہے اسے ضمیر متکلّم کہتے ہیں۔‘‘

جیسے: میں ، ہم، میرا، ہمارا، وغیرہ۔

’’ بات کرنے والا سامنے موجود شخص کے لیے جو ضمیر استعمال کرتا ہے۔ اسے ضمیر حاضر کہتے ہیں۔‘‘

جیسے: تم، تو، آپ ۔

’’ بات کرنے والا غیر موجود شخص کے لیے جو ضمیر استعمال کرتا ہے۔ اسے ضمیر غائب کہتے ہیں۔‘‘

جیسے: وہ اس، ان، ان کا وغیرہ۔

ضمیر شخصی ’فاعلی حالت‘ میں ہوتی ہے یا ’مفعولی حالت‘ میں۔ اس کی وضاحت نیچے دیے ہوئے چارٹ سے ہو جاتی ہے:

ضمیر	فاعلی حالت	مفعولی حالت
میں	میرا	مجھے
ہم	ہمارا	ہمیں
تو	تیرا	تجھے
تم	تمھارا	تمھیں
وہ	اس کا/اس کی	اسے
وہ	ان کا	انھیں

فعل

(Verb)

ان جملوں کو پڑھیے اور خط کشیدہ لفظوں پر غور کیجیے:

☆ طلبا کرکٹ کھیل رہے ہیں۔

☆ میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔

☆ آپ نے بہت اچھا مضمون لکھا۔

☆ کل ہم پکنک پر جائیں گے۔

یہ ایسے لفظ ہیں جن سے کسی کام کا کرنا یا ہونا ظاہر ہوتا ہے، یہ لفظ کھیلنا، کرنا، لکھنا اور جانا، سے بنتے ہیں۔

''وہ لفظ جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا ظاہر ہو اسے 'فعل' کہتے ہیں۔''

فعل کی قسمیں

درج ذیل جملوں کی مدد سے فعل کی مختلف قسموں کو سمجھیے:

☆ آپ کے لطیفے نے سب کو ہنسا دیا۔

☆ ڈاکٹر مریض کو دیکھ رہا ہے۔

☆ آج میں بہت خوش ہوں۔

☆ وہ بغیر سوچے سمجھے بولتے چلے گئے۔

ہم جانتے ہیں کہ فعل کے بغیر کوئی جملہ مکمّل نہیں ہوتا۔ ان چاروں جملوں میں مختلف قسم کے فعل ہیں۔ پہلے جملے کا فعل ہے، ''ہنسا دیا''۔ یہ ایسا فعل ہے جس میں کام کا اثر صرف کام کرنے والے یعنی فاعل تک محدود ہے۔

''وہ فعل جس میں کسی کام کا اثر صرف فاعل تک محدود رہے فعلِ لازم کہلاتا ہے۔''

دوسرے جملے کا فعل ہے، ''دیکھ رہا ہے''۔ یہ ایسا فعل ہے جس کا اثر فاعل تک محدود نہیں بلکہ مفعول پر بھی اس کا اثر پڑ رہا ہے۔

''وہ فعل جس کو اپنے مفہوم کے لیے مفعول کی ضرورت ہوتی ہے 'فعلِ متعدّی' کہلاتا ہے۔''

تیسرے جملے میں فعل کے طور پر بس ایک ہی لفظ ہے، ''ہوں''۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جہاں فعل اپنی مکمل شکل میں نہیں ہے۔

''وہ فعل جس میں کسی کام کا کرنا یا ہونا مکمل طور پر واضح نہیں ہوتا فعلِ ناقص کہلاتا ہے۔''

چوتھے جملے میں فعل ہے '' چلے گئے''۔ یہاں ایک ساتھ دو فعل استعمال ہوئے ہیں۔

''وہ فعل جو دو یا دو سے زیادہ افعال سے مل کر بنتا ہے، اُسے فعلِ مرکّب کہتے ہیں۔''

فاعل، اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول

ان جملوں کو پڑھیے:

☆ <u>میں</u> خط لکھ رہا ہوں۔

☆ <u>احمد</u> کتاب پڑھ رہا ہے۔

☆ <u>حِنا</u> جھولا جھول رہی ہے۔

جملوں کے ان لفظوں پر غور کیجیے:

☆ میں ☆ احمد ☆ حنا

یہ ایسے الفاظ ہیں جو کسی کام کے کرنے والے کو ظاہر کرتے ہیں۔

''وہ لفظ جو کسی کام کے کرنے والے کو ظاہر کرے، ''فاعل'' کہلاتا ہے۔''

اوپر کی مثالوں میں، ☆ میں ☆ احمد ☆ حنا 'فاعل' ہیں۔

اوپر کی مذکورہ تینوں مثالوں میں اب ان لفظوں پر غور کیجیے:

☆ خط ☆ کتاب ☆ جھولا

یہ وہ الفاظ ہیں جن پر فعل کے اثر کا پڑنا ظاہر ہوتا ہے۔

''وہ لفظ جس پر کسی فعل کا اثر پڑے، ''مفعول'' کہلاتا ہے۔''

اوپر کی مثالوں میں، ☆ خط ☆ کتاب ☆ جھوُلا 'مفعول' ہیں۔

ان جملوں کو غور سے پڑھیے:

☆ درزی نے کپڑے سی دیے۔ ☆ بڑھئی نے الماری بنائی۔

☆ کسان نے کھیتی کی۔ ☆ شاعر نے غزل پڑھی۔

ان جملوں میں درزی، بڑھئی، کسان، شاعر ایسے الفاظ ہیں جو پیشے کی مناسبت سے کسی کام کے کرنے والے کو ظاہر کرتے ہیں۔

'' پیشے کی مناسبت سے دیا گیا نام، 'اسمِ فاعل' کہلاتا ہے۔''

ان جملوں کو غور سے پڑھیے :

☆ مظلوم کی مدد کرو۔

☆ معقول بات کی تعریف ہونی ہی چاہیے۔

☆ خالق اپنی مخلوق کا ہر دم خیال رکھتا ہے۔

☆ کسی آزمودہ کو بار بار آزمانا حماقت ہے۔

☆ دلّی کے نہ تھے کوچے اوراقِ مصوّر تھے۔

ان جملوں میں مظلوم، معقول، آزمودہ، مصوّر ایسے الفاظ ہیں جو مفعول کی مناسبت سے ہیں۔

''وہ اسم جو فعل کی مفعولی حالت کے نام کو ظاہر کرے، 'اسمِ مفعول' کہلاتا ہے۔''

درج ذیل مثالوں سے اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کو مزید سمجھنے کی کوشش کیجیے:

نقل	ناقِل	منقول
سجدہ	ساجد	مسجود
عبد	عابد	معبود
حُب	مُحِب	محبوب

زمانہ اور اس کی قسمیں

ان جملوں کو غور سے پڑھیے:

☆ فارحہ امتحان میں اوّل آئی۔

☆ میں اپنا ہر کام وقت کی پابندی کے ساتھ کرتا ہوں۔

☆ نبیلہ کل ممبئی جائے گی۔

آپ کو معلوم ہے کہ کام کا تعلق کسی نہ کسی وقت سے ہوتا ہے۔ کام یا تو گزرے ہوئے وقت میں ہوتا ہے یا موجودہ وقت میں یا پھر آنے والے وقت میں۔ زمانے کے لحاظ سے فعل کی یہ تین قسمیں ہیں۔ اوپر کے جملوں

میں پہلے جملے کا فعل گزرے ہوئے وقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ دوسرے جملے کا فعل موجودہ وقت کی طرف اور تیسرے جملے کا فعل آنے والے وقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

''وہ کام جو گزرے ہوئے وقت میں ہو، اسے 'فعلِ ماضی' کہتے ہیں۔''

''وہ کام جو موجودہ وقت میں ہو، اسے 'فعل حال' کہتے ہیں۔''

''وہ کام جو آنے والے وقت میں ہو، اسے 'فعل مستقبل' کہتے ہیں۔''

فعل معروف، فعل مجہول

ان جملوں کو غور سے پڑھیے:

- ☆ سلیم نے ضرورت مندوں کو کمبل تقسیم کیے۔
- ☆ ہمارے گھر میں سب لوگ وقت پر کھانا کھاتے ہیں۔
- ☆ کمبل تقسیم کیے گئے۔
- ☆ کھانا کھایا جاتا ہے۔

پہلے جملوں میں جو فعل ہیں ان کے فاعل معلوم ہیں۔ جیسے:

'سلیم' — فاعل 'تقسیم کیے' — فعل

'کھاتے ہیں' — فعل 'سب لوگ' — فاعل

آخری دو جملوں میں جو فعل ہیں ان کے فاعل معلوم نہیں ہیں۔ جیسے: تقسیم کیے گئے۔ کھایا گیا۔

''وہ فعل جس کا فاعل معلوم ہو، اُسے فعل معروف کہتے ہیں اور وہ فعل جس کا فاعل معلوم نہ ہو، اسے فعلِ مجہول کہتے ہیں۔''

صفت

(Adjective)

درج ذیل عبارت غور سے پڑھیے۔

''صفیہ اپنے بیٹے راشد اور بیٹی کوثر کو لے کر کھلونوں کی دکان پر گئیں ۔ وہاں خوبصورت کھلونے تھے۔ ایک سفید بلّی لال سائیکل چلا رہی تھی۔ کچھ جاپانی گڑیاں تھیں۔ ہندوستانی گیندیں اور بلّے بھی تھے۔ چکنی مٹّی کے بنے ہوئے کچھ پھل تھے جو بالکل اصلی پھل معلوم ہو رہے تھے۔ ایک طرف چند کتابیں اور کچھ کاپیاں بھی تھیں۔ کوثر نے جاپانی گڑیا۔لی، راشد نے دو بلّے اور کچھ کاپیاں لیں۔ صفیہ نے کہا'' اتنی ساری چیزیں!''

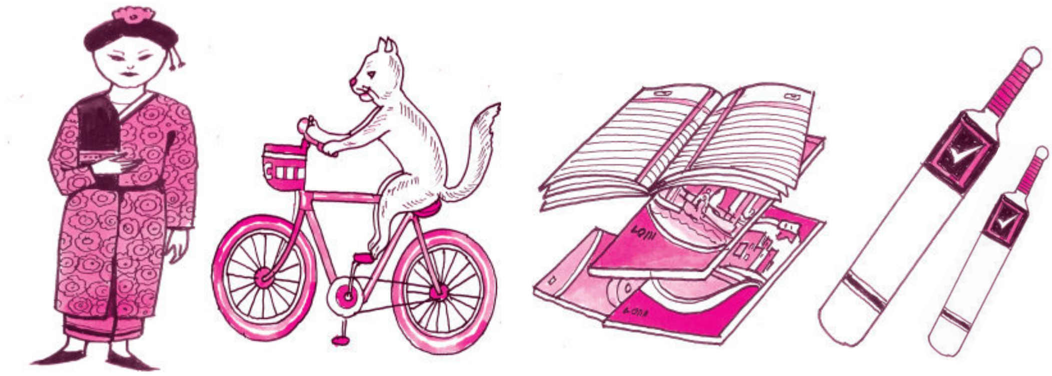

جاپانی گڑیا　　سفید بلّی لال سائیکل چلاتی ہوئی　　کاپیاں　　بلّے

اس عبارت میں آپ نے دیکھا کہ اسم کے ساتھ ان کی کسی خصوصیت کا بھی ذکر ہوا ہے۔ جیسے: خوبصورت کھلونے، سفید بلّی ، لال سائیکل، جاپانی گڑیا، ہندوستانی گیندیں، چکنی مٹّی ، اصلی پھل، چند کتابیں، کچھ کاپیاں اور

اتنی ساری چیزیں، وغیرہ۔

''وہ لفظ جس سے کسی اسم کی اچھائی، برائی یا خصوصیت ظاہر ہو، اسے صفت کہتے ہیں۔''

جیسے: خوبصورت، سفید، چکنی، اصلی، چند، کچھ اور اتنی ساری۔

اوپر دی ہوئی عبارت میں اسم کی جو خصوصیات بیان ہوئی ہیں، انھیں الگ الگ زمروں میں بانٹ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ صفت کی الگ الگ قسمیں ہوتی ہیں۔

''وہ الفاظ جن سے کسی شخص یا چیز کی ذاتی خصوصیت، حالت یا کیفیت ظاہر ہو، اسے صفتِ ذاتی کہتے ہیں۔''

جیسے: خوش مزاج، خوش مذاق، باوقار، عجیب، گرم، ٹھنڈا، ذہین، بے چین، شریف، نفیس، اچھا، بُرا وغیرہ۔

''وہ صفت جس میں کسی دوسری چیز سے کسی طرح کا لگاؤ یا نسبت پائی جائے، اسے صفتِ نسبتی کہتے ہیں۔''

جیسے: ہندوستانی بلّے، جاپانی گڑیا، کشمیری شال، عربی گھوڑا وغیرہ۔ ان کلموں میں ہندوستانی، جاپانی، کشمیری اور عربی، صفتِ نسبتی ہیں۔

''وہ صفت جس سے کسی اسم کی تعداد ظاہر ہو، اسے صفتِ عددی کہتے ہیں۔''

جیسے: دو بلّے، چند کتابیں، کچھ کاپیاں، دس خواتین اور اتنے سارے لوگ وغیرہ۔

ان میں دو، چند، کچھ، دس اور اتنے سارے صفتِ عددی ہیں۔

''وہ صفت جو کسی چیز کی مقدار یا ناپ یا وزن کو ظاہر کرے، اسے صفتِ مقداری کہتے ہیں۔''

جیسے: دو کلو مٹھائی، پاؤ بھر چینی، پانچ میٹر کپڑا، چُٹکی بھر نمک اور ایک لیٹر دودھ وغیرہ۔

ان میں دو کلو، پاؤ بھر، پانچ میٹر، چُٹکی بھر اور ایک لیٹر صفتِ مقداری ہے۔

حروف

(Letters)

ذیل کی تحریری علامتوں کو ہم اچھی طرح پہچانتے ہیں:

د	ج	ب	ا
क	ख	ग	घ
A	B	C	D

کسی بھی زبان کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے ہم اس کی بنیادی آوازوں کی علامات سیکھتے ہیں۔ انھیں حروف تہجی (Alphabet) کہا جاتا ہے۔ آزادانہ ان حروف کے معنی نہیں ہوتے۔ زبان بولتے یا لکھتے پڑھتے ہوئے ہم نیچے دی گئی آوازیں بھی استعمال کرتے ہیں۔

با بے پر تک سے میں

اور ان کے علاوہ بہت سی آوازیں، کیا ان کے کچھ معنی سمجھ میں آتے ہیں؟ اکیلے پڑے رہنے میں ا، ب، ج وغیرہ کی طرح یہ بھی بے معنی رہتے ہیں۔

اب ذیل کی مثالیں پڑھیے:

باادب بےخوف سرپر

گھرتک ہاتھ سے باغ میں

یعنی دوسرے بامعنی لفظوں سے پہلے یا بعد میں آکر ان کے کچھ معنی سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ بے معنی حروف تہجی کی طرح یہ بھی حروف (Particles) ہیں، بات کرتے یا لکھتے وقت جنھیں دوسرے لفظوں کے ساتھ لانا ضروری ہوتا ہے۔ ایسے حروف کی چند قسمیں ہیں، یہاں جن کا تعارف کیا جاتا ہے۔

حرفِ جار (Preposition)

ذیل کے جملے پڑھیے:

☆ بچّے باغ میں کھیل رہے ہیں۔

☆ وہ گھر سے نکلا۔

☆ سر پر ٹوپی پہنو۔

☆ گیلی دیوار کو ہاتھ نہ لگاؤ۔

☆ دریا تک پہنچ کر میں رک گیا۔

☆ پردوں کا رنگ اڑ چکا تھا۔

☆ ہم نے کھانا کھالیا ہے۔

ان جملوں میں خط کشیدہ حروف ایسے حروف ہیں جن سے ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے تعلق قائم ہوتا ہے۔

''وہ حروف جو ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے تعلق قائم کرتے ہیں، انھیں حرفِ جار کہتے ہیں۔''

انھیں حرف ربط بھی کہا جاتا ہے۔

حرفِ اضافت (Relative Particles)

ان لفظوں کو پڑھیے:

نسیم کا گھر **اسکول کے بچّے** **صبا کی کتاب**

ان لفظوں میں کا، کے، کی ایسے حروف ہیں جو دو لفظوں کے درمیان نسبت/تعلق ظاہر کرتے ہیں۔

''وہ حروف جو دو لفظوں کے درمیان نسبت/تعلق ظاہر کرے، اسے حرفِ اضافت کہتے ہیں''

ان لفظوں میں گھر کی نسبت نسیم سے، بچّوں کی نسبت اسکول سے اور کتاب کی نسبت صبا سے ہے۔

ان مثالوں کو غور سے پڑھیے:

خالد کا مکان　　رضیہ کی گھڑی　　کتاب کے اوراق

اوپر کی مثالوں کے بارے میں ہم یہ سوالات کر سکتے ہیں:

(i) مکان کس کا ہے؟

(ii) گھڑی کس کی ہے؟

(iii) اوراق کس کے ہیں؟

ان سوالوں کا جواب ہوگا:

خالد　　رضیہ　　کتاب

خالد، رضیہ اور کتاب کی نسبت جس سے ظاہر کی گئی ہے، اسے 'مضاف الیہ' کہتے ہیں اور جن کی طرف ان کی نسبت ظاہر کی گئی ہے، انھیں 'مضاف' کہتے ہیں۔ ان میں مکان، گھڑی اور اوراق 'مضاف' ہیں۔

اضافت کے تعلق سے اب ذیل کی مثالیں پڑھیے:

ابنِ مریم　　زنجیرِ آہن　　بندۂ خدا　　گوشۂ عافیت　　بوئے گل

ان مثالوں میں حرفِ اضافت 'کا'، 'کے'، 'کی' استعمال نہیں کیے گئے۔ ان کے بجائے زیر/ ہمزہ/ ئے/ سے اضافت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ان ترکیبوں کا اردو میں مطلب ہوگا۔

مریم کا بیٹا　　لوہے کی زنجیر　　خدا کا بندہ　　عافیت کا گوشہ　　گل کی بو

فارسی قاعدے کے مطابق اضافت کے لیے زیر/ ہمزہ/ ئے کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جب کہ اردو میں اضافت کو لفظ کا، کے، کی سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

حروفِ عطف (Conjunctions)

ذیل کے خانوں میں دیے گئے فقرے اور جملے غور سے پڑھیے:

(الف)	(ب)
جوان اور بوڑھے	میں تو وہاں پہنچا مگر وہی نہ آیا
آدمی یا انسان	یہ کتاب پڑھو یا وہ کتاب پڑھو
میں کہ وہ	میں نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانا
	اس نے مجھ سے کہا کہ ابھی مت جاؤ

کالم (الف) کے فقروں میں دو اسموں اور ضمیروں کو ''اور، یا، کہ'' سے جوڑا گیا ہے ۔ کالم (ب) کی مثالوں میں دو دو جملے ہیں جنھیں ''مگر، یا، لیکن، کہ'' سے جوڑا گیا ہے۔

''وہ حرف یا لفظ جو دو لفظوں' فقروں' جملوں کو جوڑتا ہے' حرفِ عطف کہلاتا ہے۔''

حروفِ تخصیص (Emphatics)

ذیل کے جملوں کو پڑھیے اور دھیان دیجیے کہ انھیں پڑھتے یا بولتے ہوئے ہم کن لفظوں پر زور دیتے ہیں:

☆ اس نے اسکول کا منہ بھی نہیں دیکھا تھا۔

☆ تھوڑے ہی دنوں میں باغ کا منظر بدل جائے گا۔

☆ ہر شخص کو اس بات کا پتا چل گیا۔

☆ شکل دیکھتے ہو نا تم اس کی۔

ان جملوں کو ادا کرتے ہوئے ہم نے: ''بھی، ہی، ہر، نا'' لفظوں پر زور دیا ہے۔

”وہ حروف جو جملے میں کسی پہلو پر زور ڈالنے یا تاکید کے لیے استعمال ہوتے ہیں، انھیں حروفِ تخصیص کہتے ہیں۔“

حروفِ فجائیہ (Exclamations)

ذیل کے جملے بآوازِ بلند پڑھیے اور غور کیجیے کہ انھیں ادا کرتے ہوئے ہم کن جذبات کا اظہار کررہے ہیں:

- ☆ ارے! تم اب تک یہیں ہو۔
- ☆ واہ وا، کیا خوب!
- ☆ ہاں، ہاں! ذرا سنبھل کے چلو بھائی۔
- ☆ آہ ظالم نے بے وفائی کی!

کبھی کسی بات کے ردِعمل کے طور پر جوش اور جذبے کے تحت ہمارے منہ سے ”اوہو، آہا، واہ، اُف، آہ“ جیسی آوازیں نکل جاتی ہیں۔

”وہ حرف جو جملے میں، خوشی، دکھ، حیرت کے جذبے کو ظاہر کرے، اسے حرفِ فجائیہ کہتے ہیں۔“

جیسے: سبحان اللہ، ماشاء اللہ، لاحول والاقوۃ، ارے، واہ وا، اُف، آہ، چہ خوب، اور چشم بددور وغیرہ۔ واضح رہے کہ جذبات کا اظہار کرنے والے فجائیہ حروف کے بعد فجائیہ نشان ! لگایا جاتا ہے۔

واحد جمع

(Singular-Plural)

(الف)	(ب)
کتاب	کتابیں
پنسل	پنسلیں

ان دونوں خانوں میں دکھائی گئی تصویروں پر غور کیجیے:

’الف‘ کے خانے میں ایک کتاب اور ایک پنسل کی تصویر دی گئی ہے، اور ’ب‘ کے خانے میں کئی کتابوں اور پنسلوں کی تصویریں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی تعداد ہوتی ہے۔

”تعداد میں جب کوئی ایک چیز ہو تو، اسے واحد کہتے ہیں۔“

''اور جب ایک سے زیادہ ہوتو ،اسے جمع کہتے ہیں۔''

واحد سے جمع بناتے وقت لفظ کی شکل بدل جاتی ہے:

گھوڑا	گھوڑے	دائرہ	دائرے
لڑکا	لڑکے	چمچہ	چمچے

یہ بھی ذہن میں رہے کہ واحد سے جمع بناتے وقت جملے کی شکل بھی بدل جاتی ہے۔ جیسے:

گھوڑا دوڑ رہا ہے	گھوڑے دوڑ رہے ہیں
لڑکا کھیل رہا ہے	لڑکے کھیل رہے ہیں
بچّہ پڑھ رہا ہے	بچّے پڑھ رہے ہیں

یہ بھی یاد رکھیں کہ واحد لفظ کے آخر میں اگر 'ی' ہوتو اس کی جمع بنانے میں 'اں' لگایا جاتا ہے۔ جیسے:

لڑکی	لڑکیاں
کلی	کلیاں
کھڑکی	کھڑکیاں
گلی	گلیاں

'اں' کے علاوہ 'وں' لگا کر بھی جمع بنائی جاتی ہے۔ جیسے:

لوگ	لوگوں
گھر	گھروں

'ئیں' لگا کر بھی واحد سے جمع بناتے ہیں:

دوا	دوائیں
دعا	دعائیں
گھٹا	گھٹائیں
صدا	صدائیں

کہیں 'یں' لگا کر بھی جمع بنائی جاتی ہے۔ جیسے:

شام	شامیں
رات	راتیں
راہ	راہیں
خبر	خبریں

اوپر کی مثالوں میں واحد سے جمع بنانے کا یہ اردو قاعدہ ہے۔ اس کے علاوہ اردو میں فارسی، عربی قاعدے سے بھی واحد سے جمع بنائی جاتی ہے۔ فارسی قاعدے کے مطابق یہ الفاظ دیکھیے:

خیال	خیالات
سوال	سوالات
احساس	احساسات

اب عربی قاعدے کے مطابق واحد سے جمع بنانے کی یہ مثالیں دیکھیے:

قسم	اقسام
شعر	اشعار

حاکم	حُکّام
ذریعہ	ذرائع
شاعر	شعرا
امیر	امرا
رسالہ	رسائل

درج ذیل میں واحد اور جمع کی شناخت کیجیے:

جوابات سائل تجربہ خیالات آئینے ادائیں

غربا بچّہ پھولوں

جنس

(Gender)

(تذکیر و تانیث)

جنسِ حقیقی

ان تصویروں کو دیکھیے :

(الف)	(ب)
لڑکا	لڑکی
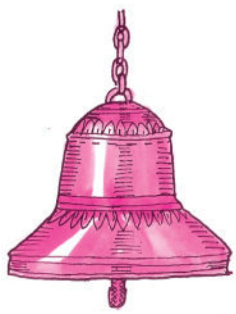	
گھنٹہ	گھڑی

'الف' خانے میں جو تصویریں ہیں وہ جنس کے اعتبار سے ہیں اور 'ب' میں جو تصاویر ہیں وہ 'مادہ' ہیں۔

"جاندار چیزوں کے 'نر' مذکر اور 'مادہ' مؤنث کہلاتے ہیں۔"

انھیں جنسِ حقیقی بھی کہتے ہیں۔

جنسِ غیر حقیقی

اب ذیل کے خانوں میں دیے گئے لفظوں پر غور کیجیے:

(الف)	(ب)
ہوا کرسی دنیا ندی زنجیر مٹی گھٹا کتاب	اخبار جہاز پیڑ پرندہ کاغذ آسمان قلم

یہ سبھی نام غیر جان دار یا بے جان ہیں۔

'الف' خانے کے تمام لفظ مؤنث ہیں اور 'ب' خانے کے سب الفاظ مذکر۔

"غیر جان دار، بے جان چیزوں کے مذکر، مؤنث کو جنسِ غیر حقیقی کہتے ہیں۔"

ان مثالوں سے اسم کے مذکر یا مؤنث ہونے کا پتا چلتا ہے۔ذیل کی مثالوں پر غور کیجیے:

ہوا چل رہی تھی۔ گھٹا چھائی ہوئی تھی۔

ندی پہاڑ سے اترتی ہے۔ زنجیر کھنکی۔

کرسی ٹوٹ گئی۔ ہر طرف مٹّی اڑنے لگی۔

یہ جملوں کے اسم مؤنث ہیں۔ اردو زبان کی ایک اہم خاصیت یہ ہے کہ اسم مؤنث ہو تو جملے میں اس کا فعل بھی مؤنث استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر کی مثالوں میں دیکھا۔

چل رہی/ چھائی/ اترتی/ کھنکی/ ٹوٹ گئی/ اُڑنے لگی مثالیں بتاتی ہیں کہ فعل کا تانیث یعنی اس کا مؤنث ہونا فعل کے خاتمے پر آنے والی آواز ''ی'' سے ظاہر ہوتا ہے۔

ان جملوں پر غور کیجیے:

لڑکا آیا۔	اس نے اخبار پڑھا۔
جہاز اُڑ گیا۔	پیڑ ہرا ہو گیا۔
پرندہ مُنڈیر پر بیٹھا تھا۔	کاغذ پھٹا ہوا تھا۔

اِن جملوں میں سبھی اسم مذکّر ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ آنے والے فعل بھی مذکّر ہیں جیسا کہ ان جملوں میں: آیا/ پڑھا/ اُڑ گیا/ ہو گیا/ بیٹھا تھا/ پھٹا ہوا تھا، فعل مذکّر اسم کی وجہ سے مذکر ہیں۔

مترادف الفاظ

(Synonyms)

ذیل کے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجیے:

- ان کی زندگی عیش و آرام میں گزری۔
- اتحاد و اتفاق ہی سے قوم ترقّی کرتی ہے۔
- ایسا تو میرے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا۔
- میل ملاپ، خلوص اور ہمدردی انسان کے اخلاق کو اُجاگر کرتے ہیں۔
- انھوں نے مقابلے میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

بات میں زور پیدا کرنے کے لیے ہم کبھی جملوں میں ایسے الفاظ لاتے ہیں جو معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں۔ دونوں لفظوں کے معنی یکساں ہوتے ہیں۔ ''اتحاد و اتفاق'' اور ''خواب وخیال'' کی ترکیبوں میں بھی (جو حرف عطف واو سے جوڑی گئی ہیں) لفظوں کے معنی ملتے جلتے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری مثالوں ''میل ملاپ'' اور ''بڑھ چڑھ'' میں کوئی حرف عطف نہیں مگر یہ بھی معنی کے لحاظ سے یکساں ہیں۔

''وہ الفاظ جو معنی میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں، انھیں مترادف الفاظ کہا جاتا ہے۔''

مترادف لفظوں کے لیے ضروری نہیں ہے کہ دونوں الفاظ ہمیشہ ایک ساتھ استعمال کیے جائیں۔ جیسے: خوف وڈر یا شبنم اور اوس ایک دوسرے کے مترادف ہیں لیکن انھیں ایک ساتھ استعمال نہیں کیا جاتا۔

متضاد الفاظ

(Antonyms)

درج ذیل میں خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجیے:

- صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے۔
- زندگی میں اتار چڑھاؤ تو آتے ہی رہتے ہیں۔
- تمھیں اچھّے برے کی پہچان ہے کہ نہیں۔
- زندگی خیر و شر کا مجموعہ ہے۔
- تجارت میں نفع نقصان تو لگا ہی رہتا ہے۔

خط کشیدہ الفاظ ایک دوسرے کے برعکس معنی دیتے ہیں۔

"وہ الفاظ جو معنی میں ایک دوسرے کی ضد ہوں، انھیں متضاد الفاظ کہا جاتا ہے۔"

مرکّب الفاظ

(Compound Word)

نیچے دیے گئے لفظوں پر غور کیجیے:

گھوڑا گاڑی	ڈاک گھر	پن چکّی
عبادت خانہ	شیش محل	گھڑسوار

یہاں ہر مثال میں دو لفظ آئے ہیں اور دونوں کے اپنے معنی ہیں۔ ''گھوڑا گاڑی'' میں ''گھوڑا'' ایک جانور اور ''گاڑی'' ایک خاص چیز ہے لیکن دونوں کے ایک ساتھ آنے سے جو نیا لفظ ''گھوڑا گاڑی'' بنا ہے، وہ ایک تیسری چیز کا نام ہے۔

''پن چکّی'' میں ''پن'' لفظ ''پانی'' کا مختصر روپ اور ''چکّی'' ایک مشین ہے۔ پن + چکّی سے جو نیا لفظ بنا ہے، وہ دونوں سے الگ اسم ہے۔

''دو مختلف معنی رکھنے والے لفظوں کے ملنے سے جو نیا لفظ بنتا ہے، اسے مرکب لفظ کہتے ہیں۔''

سابقہ اور لاحقہ

(Suffix and Prefix)

ذیل کے جملوں پر توجہ دیجیے:

- اسے اِس بات کی خبر نہیں تھی۔

  وہ اس بات سے بےخبر تھا۔

- تم یہ کام آسانی سے کر سکتے ہو۔

  تم یہ کام بآسانی کر سکتے ہو۔

- میں اس شخص کو نہیں جانتا۔

  وہ شخص میرے لیے انجان ہے۔

- احمد اور میں ایک ہی جماعت میں ہیں۔

  احمد میرا ہم جماعت ہے۔

- میں اس جگہ وقت پر پہنچا۔

  میں اس جگہ بر وقت پہنچا۔

- اس کی قسمت اچّھی ہے۔

  وہ خوش قسمت ہے۔

اوپر کے دونوں جملے معنی اور مفہوم میں یکساں ہیں البتہ دوسرے جملے میں خط کشیدہ الفاظ میں کچھ فرق ضرور ہے۔

(الف) پہلا جز	(ب) دوسرا جز
خبر نہیں	بے خبر
آسانی سے	باآسانی
نہیں جانتا	انجان
ایک ہی جماعت میں	ہم جماعت
وقت پر	بروقت
اچھّی قسمت	خوش قسمت

اس خاکے میں دوسرے جز (ب) کے الفاظ کی بناوٹ یوں ہے۔

بے + خبر   با + آسانی   ان + جان   ہم + جماعت   بر + وقت   خوش + قسمت

بے، با، ان، ہم، بر، خوش، یہ سابقے ہیں۔

''بامعنی الفاظ سے پہلے لگنے والے حروف یا الفاظ کو سابقہ کہتے ہیں۔''

ان لفظوں پر غور کیجیے:

- شان دار   جان دار   ایمان دار
- پان دان   عطر دان   گُل دان
- عقل مند   ضرورت مند   دولت مند
- کار گر   ستم گر   جادو گر
- خطر ناک   غم ناک   الم ناک
- سائنس داں   سیاست داں   نکتہ داں

خط کشیدہ حروف سے پہلے جو الفاظ آئے ہیں، ان کے اپنے معنی مکمّل ہیں لیکن خط کشیدہ حروف کے ساتھ مل کر ان کے معنی بدل جاتے ہیں یہ لاحقے ہیں۔

''بامعنی الفاظ کے بعد آنے والے حروف کو لاحقہ کہتے ہیں۔''

روزمّرہ

(Slang Phrase)

یہ جملے پڑھیے:

- اللہ قسم! سچ کہہ رہی ہوں۔
- انھوں نے تو جھوٹے منہ بھی مجھے رکنے کے لیے نہیں کہا۔
- وہ دن گئے کہ تم زمین پر پاؤں نہ دھرتے تھے۔

’’خط کشیدہ الفاظ ایسے فقرے ہیں، جنھیں روزانہ کی بات چیت میں خاص موقعوں پر اور خاص معنوں کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسے فقروں کو روزمرّہ کہتے ہیں۔‘‘

محاورے

(Idioms)

اب ان جملوں کو پڑھیے:

- بہت دن بعد نانی سے مِل کر آنکھیں بھر آئیں۔
- حقیقت سامنے آنے پر وہ بغلیں جھانکنے لگا۔
- آپ سے مل کر دل باغ باغ ہوگیا۔

ان جملوں کے خط کشیدہ الفاظ ’’آنکھیں بھر آنا، بغلیں جھانکنا اور دل باغ باغ ہوگیا‘‘ کے معنی ہیں: ’’رنجیدہ ہونا، شرمندہ ہونا اور بہت خوش ہونا۔‘‘

’’وہ الفاظ جو فعل پر ختم ہوتے ہیں اور اپنے لغوی معنی کی جگہ دوسرے معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں، انھیں محاورہ کہتے ہیں۔‘‘

کہاوت
(Parable)

درج ذیل کہانی پڑھیے:

ایک دن کی بات ہے، ایک لومڑی اپنی غذا کی تلاش میں نکلی ۔ سارے دن گھومتی پھرتی رہی۔ کھانے کو کچھ نہ ملا۔ اسی تلاش میں وہ ایک باغ میں پہنچ گئی۔ وہاں انگور کی بیل تھی۔ انگور کے رس دار خوشے لٹک رہے تھے۔ لومڑی کے منہ میں پانی بھر آیا۔ آس پاس دیکھ کر وہ انگور کے ایک خوشے کی طرف اُچھلی مگر اس تک نہ پہنچ سکی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے رخ بدل کر پھر چھلانگ لگائی مگر منہ میں ایک بھی انگور نہیں آیا۔ اس نے سوچا ہمّت نہیں ہارنی چاہیے۔ پھر اس نے اپنے جسم میں پھرتی پیدا کی اور لگا تار کئی چھلانگیں لگائیں۔ مگر انگوروں تک نہ پہنچ سکی اور وہ بُری طرح تھک گئی۔ آخر کار نڈھال ہوکر باغ سے باہر جانے لگی۔ جاتے جاتے اس نے انگوروں کو مڑکر دیکھا۔ اتنی دیر میں ایک دوسری لومڑی آ گئی اور کہنے لگی :

’’بہن کیوں! چل دیں، انگور نہیں ملے؟‘‘

لومڑی نے کہا: ’’نہیں انگور تو بہت ہیں لیکن کھٹّے ہیں۔‘‘

کہانی کے آخر میں لومڑی نے انگور نہ کھانے کی جو وجہ بتائی ہے یعنی ’انگور کھٹّے ہیں‘، ایک کہاوت ہے۔ لومڑی نے اپنی شرمندگی دور کرنے کے لیے جو وجہ بتائی اسے ہم ایسے موقع پر بولتے ہیں جب کوئی اپنی شرمندگی کو چُھپانے کے لیے کوئی بہانہ بناتا ہے۔

''کہاوت وہ فقرہ، جملہ یا قول ہے، جسے بات میں زور پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ کہاوت کے پیچھے کوئی واقعہ یا کہانی ضرور ہوتی ہے۔''

کہاوت کے چند الفاظ وہ بات بیان کر دیتے ہیں جس کے لیے عام طور پر خاصی تفصیل درکار ہوتی ہے۔ ہر کہاوت انسانی تجربے کا نچوڑ پیش کرتی ہے۔ اس میں بڑے گُر کی باتیں بیان ہوتی ہیں۔ یہ کسی سماجی یا تہذیبی تجربے یا واقعے کے اثر سے اپنے آپ وجود میں آجاتی ہے اور پھر ایک نسل سے دوسری نسل تک اور کبھی کبھی ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچ جاتی ہے۔

ہماری زبان میں کہاوتوں کا ایک بڑا خزانہ پایا جاتا ہے۔ اس کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

☆ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا	ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں پھنسنا۔
☆ ابھی دلّی دور ہے	کام پورا نہیں ہوا ہے یا مقصد پورا ہونے میں دیر ہے۔
☆ چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات	زندگی کے تھوڑے دن آرام چین سے گزرتے ہیں اس کے بعد پھر وہی مصیبتیں۔
☆ مان نہ مان میں تیرا مہمان	اپنے آپ کو کسی پر زبردستی مُسلّط کرنا۔
☆ جیسی کرنی ویسی بھرنی	جیسا عمل کروگے، ویسا ہی پھل ملے گا۔
☆ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا	کام کرنا نہ آتا ہو اور کام ہی کو خراب بتایا جائے۔

فقرہ

(Phrase)

یہاں کچھ لفظوں کے مجموعے پیش کیے جارہے ہیں۔ انھیں غور سے پڑھیے:

- جذبات کی عکاسی
- شام سے پہلے
- گائی جاتی ہے۔
- مشاہدے کی گہرائی
- محبّت کا پیغام

غور کیجیے، اُوپر لفظوں کے جو مجموعے پیش کیے گئے ہیں۔ ان سے مکمّل معنی سامنے نہیں آتے بلکہ ان کے پڑھنے سے ادھورے معنی ہی نکلتے ہیں۔ انھیں واضح کرنے کے لیے شروع یا آخر میں چند الفاظ کا استعمال ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یعنی **لفظوں کا وہ مجموعہ جو ایک خاص ترتیب میں کسی قدر بامعنی ہونے کے باوجود مکمّل نہ ہو، فقرہ کہلاتا ہے۔**

جملہ

(Sentence)

کالم 'الف' اور کالم 'ب' کی تحریر کو غور سے پڑھیے:

(ب)	(الف)
ناول میں جذبات کی عکاسی ضرور ہے۔	جذبات کی عکاسی
مجھے شام سے پہلے ہی یہ کام مکمّل کر لینا ہے۔	شام سے پہلے
اچھّی کتاب بار بار پڑھی جاتی ہے۔	پڑھی جاتی ہے
اقبال کی نظموں میں مشاہدے کی گہرائی بہت زیادہ ہے۔	مشاہدے کی گہرائی
ہماری قومی شاعری میں خاص طور پر محبّت کا پیغام دیا گیا ہے۔	محبّت کا پیغام

کالم 'الف' میں دیے گئے فقرے معنی کے اعتبار سے ادھورے ہیں۔ کالم 'ب' میں انھیں جب اور لفظوں کے ساتھ جوڑا گیا تو ان کا مفہوم واضح ہو گیا۔

''الفاظ کا وہ مجموعہ جن سے بات مکمّل واضح ہو جائے، جملہ کہلاتا ہے۔''

ادھوری بات یعنی فقرہ کو 'مرکب ناقص' اور جملے کو 'مرکب تام' بھی کہتے ہیں۔

جملے کے اجزا : مبتدا، خبر

اوپر کالم 'ب' میں دیے گئے جملوں کو ذیل میں ان کے اجزا کے ساتھ پڑھیے:

(الف)	(ب)
ناول میں	جذبات کی عکاسی ضروری ہے۔
مجھے شام سے پہلے	مجھے شام سے پہلے ہی یہ کام مکمّل کرلینا ہے۔
اچھّی کتاب	بار بار پڑھی جاتی ہے۔
اقبال کی نظموں میں	مشاہدے کی گہرائی بہت زیادہ ہے۔
ہمارے قومی ترانے میں	خاص طور پر محبّت کا پیغام دیا گیا ہے۔

ان جملوں میں کالم 'الف' خانے میں جو فقرے ہیں ان کی بابت کالم 'ب' میں بتایا گیا ہے۔

''جملے کا پہلا جزو جو کسی کی بابت ہو، اسے 'مبتدا' کہتے ہیں اور دوسرا جزو جس میں کسی کی بابت کوئی بات کہی گئی ہو، اُسے 'خبر' کہتے ہیں۔''

اوپر کی ان مثالوں میں کالم 'الف' کے الفاظ مبتدا ہیں اور کالم 'ب' میں ان سے متعلق کہی گئی بات خبر ہے۔

جملے کی قسمیں

مفرد مرکّب

ان جملوں کو پڑھیے:

1۔ وہ آئے۔

2۔ وہ آئے مگر فوراً چلے گئے۔

پہلے جملے میں ایک فعل ہے اور ایک فاعل۔

وہ (فاعل) آئے (فعل)

''وہ جملہ جس میں ایک فعل اور ایک فاعل ہو، اُسے مفرد جملہ کہتے ہیں۔''

دوسرے جملے میں دو فعل ہیں۔

'آئے' اور ''چلے گئے۔''

''وہ جملہ جو دو یا دو سے زیادہ جملوں سے مل کر کسی ایک مفہوم کو ادا کرے، اسے مرکّب جملہ کہتے ہیں۔''

بیانیہ، انکاریہ، سوالیہ، فجائیہ، حُکمیہ جملے

بیانیہ جملہ

درج ذیل جملوں کو پڑھیے:

(الف) یہ پھول خوشبودار ہیں۔

اس جملے میں پھولوں کے بارے میں ایک بات بتائی گئی ہے۔

ایسا جملہ جس میں کوئی بات بتائی جائے یا خبر دی جائے، اسے 'بیانیہ جملہ' کہتے ہیں۔

اس میں کسی بات کا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے مثبت جملہ بھی کہتے ہیں۔

انکاریہ جملہ

(ب) یہ پھول خوشبودار نہیں ہیں۔

اس جملے میں بھی خبر دی گئی ہے۔ اس لیے یہ بھی بیانیہ جملہ ہے۔ لیکن اس میں منفی کیفیت ہے۔ یعنی کسی بات کا نہ ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔

''ایسا جملہ جس میں کوئی بات منفی انداز سے کہی گئی ہو یا انکار کیا گیا ہو، اسے منفی یا انکار یہ جملہ کہتے ہیں۔''

سوالیہ جملہ

(ج) کیا یہ پھول خوش بودار ہیں؟

اس جملے میں کوئی بات پوچھی گئی ہے۔

''ایسا جملہ جس میں سوال کیا گیا ہو، اسے سوالیہ یا 'استفہامیہ' جملہ کہتے ہیں۔''

فجائیہ جملہ

(ہ) واہ! کتنی اچھی خوشبو ہے ان پھولوں کی۔

اس جملے میں جذبے و کیفیت اور تاثر کا اظہار ہے۔

''وہ جملہ جس میں کسی جذبے یا فوری تاثر و کیفیت کا اظہار ہو، اسے فجائیہ جملہ کہتے ہیں۔''

حُکمیہ جملہ

(د) خوشبودار پھول لاؤ۔

اس جملے میں کوئی کام کرنے کے لیے کہا گیا ہے یا حکم دیا گیا ہے۔

''ایسا جملہ جس میں کسی کام کو کرنے کا حکم دیا گیا ہو، اسے 'امریہ حُکمیہ جملہ' کہتے ہیں۔''

رموزِ اوقاف

(Punctuation)

ذیل کی علامتوں کو دیکھیے اور ان کے معنی واہمیت پر غور کیجیے:

✓ = ÷ × − +

ان علامتوں کا استعمال حساب کے سوالات حل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

اسی طرح زیر، زبر، پیش، تشدید اور جزم وغیرہ اعراب ہیں۔ ان کا استعمال الفاظ کے تلفّظ کے لیے کرتے ہیں۔ کچھ علامتیں ہم عبارت میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے کہ عبارت میں جگہ جگہ ٹھہرنا بھی پڑتا ہے۔ کہیں لہجے کے اتار چڑھاؤ کے لحاظ سے آواز دھیمی یا تیز کرنی پڑتی ہے۔ کبھی وقفہ دینا یا لہجے کو تبدیل کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح کچھ علامتیں ہیں جو وقفوں یا لہجے کی تبدیلی کو ظاہر کرتی ہیں۔

''وہ خاص علامتیں جو عبارت کو صحیح طور پر پڑھنے کے لیے ضروری ہوتی ہیں، انھیں رموزِ اوقاف کہتے ہیں۔''

نیچے دیے گئے جملوں کو باآوازِ بلند پڑھیے:

	(الف)	(ب)
☆	میلے میں مرد عورتیں بچے اور بوڑھے سبھی موجود تھے	میلے میں مرد، عورتیں، بچّے اور بوڑھے سبھی موجود تھے۔
☆	زبان خیالات کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے	زبان، خیالات کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔

☆	اچانک موسم بدل گیا ٹھنڈی ہوا چلنے لگی بادل گِھر آئے اندھیرا چھا گیا	اچانک موسم بدل گیا، ٹھنڈی ہوا چلنے لگی، بادل گِھر آئے، اندھیرا چھا گیا۔
☆	تم دلّی کب آؤ گے	تم دلّی کب آؤ گے؟
☆	شاباش اسی طرح محنت کرتے رہو	شاباش! اسی طرح محنت کرتے رہو۔
☆	چٹانوں کی کئی قسمیں ہیں تہ دار چٹانیں، آتشیں چٹانیں وغیرہ	چٹانوں کی کئی قسمیں ہیں: تہہ دار چٹانیں، آتشیں چٹانیں وغیرہ۔
☆	ننگے سر ترلوچن نے کسی قدر بوکھلا کر کہا میں ننگے سر نہیں جاؤں گا	''ننگے سر؟'' ترلوچن نے کسی قدر بوکھلا کر کہا، ''میں ننگے سر نہیں جاؤں گا۔''
☆	انڈیا گیٹ (India Gate) دہلی میں ہے	انڈیا گیٹ (India Gate) دہلی میں ہے۔

ان جملوں کی روشنی میں اب غور کیجیے:

☆ ہر جملے کے آخر میں نشان (۔) لگایا گیا ہے۔

''وہ نشان جو جملے کے ختم ہونے پر لگاتے ہیں، اُسے ختمہ '(۔)' کہتے ہیں۔''

☆ جہاں بولتے یا لکھتے ہوئے کچھ مختلف چیزوں کا ذکر ہو تو ہر ایک کا نام لے کر تھوڑا ٹھہرنا چاہیے۔

''کسی ایک لفظ یا فقرے کے بعد تھوڑا سا ٹھہرنے کے لیے جو علامت استعمال کی جاتی ہے، اُسے سکتہ (،) (Coma) کہتے ہیں۔''

☆ جہاں ٹھہراؤ ذرا زیادہ ہوتا ہے۔

''سکتے سے ذرا طویل ٹھہراؤ وقفہ (؛) کہلاتا ہے۔''

☆ کوئی بات کہہ کر اس سے متعلق جب تفصیل بیان کرنی ہوتی ہے۔

’’وہ نشان جو کسی شخص یا بات کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے لگاتے ہیں، اُسے رابط (:) کہتے ہیں۔‘‘

☆ جہاں سوالیہ لہجہ ہوتا ہے۔

’’سوالیہ لہجے کے اظہار کے لیے جملے کے آخر میں جو نشان لگایا جاتا ہے، اُسے سوالیہ نشان (؟) کہتے ہیں۔‘‘

☆ جہاں کسی کی بات یا قول کو نقل کیا جاتا ہے۔

’’کسی کی بات کو اسی کے الفاظ میں نقل کرتے ہوئے جو علامت لگائی جاتی ہے، اُسے واوین (’’ ‘‘) کہتے ہیں۔‘‘

☆ جہاں فوری حیرت، استعجاب، خوشی یا غم کا لہجہ ہو۔

’’حرفِ نشاط، حرفِ تاسف یا حرفِ ندا یا جوش وجذبے کو جس نشان کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے، اُسے فجائیہ نشان (!) کہتے ہیں۔‘‘

☆ جہاں کسی بات کی اضافی یا توضیحی شکل ہو یا دوسری زبان کا لفظ ہو۔

’’کسی بات کی اضافی شکل یا دوسری زبان میں پیش کرنے کے لیے اس بات کو جس علامت کے ساتھ ساتھ لکھا جاتا ہے، اُسے قوسین ( ) کہتے ہیں۔‘‘

اگر ہم ہموار لہجے میں بھی بولتے ہوئے آواز کے اُتار چڑھاؤ کے بغیر مسلسل بولتے جائیں تو سننے والا ہماری بات کا مطلب کچھ کا کچھ سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح لکھتے ہوئے بھی ہمیں اپنی تحریر میں ٹھہراؤ اور لہجوں کے مطابق علامتیں لگانی چاہئیں۔ ان علامتوں کو رموزِ اوقاف (punctuation) کہتے ہیں۔ (رموز: رمز کی جمع = نشانات، اوقاف: وقف کی جمع = ٹھہراؤ)

ذیل کے خاکے میں ان رموز کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

علامات	نام	استعمال
،	سکتہ	جملے میں مختصر وقفے کے لیے۔
؛	وقفہ	سکتے سے کسی قدر طویل وقفے کے لیے۔
:	رابطہ	مفصل ہم خیال مختصر جملوں کو ایسے ہی دوسرے جملوں سے جوڑنے کے لیے۔
۔	ختمہ	جملے کے خاتمے پر۔
؟	سوالیہ	جملے میں سوالیہ اظہار کے لیے۔
!	فجائیہ	جملے میں کسی جذبے یا تخاطب کے لیے۔
''......''	واوین	کہنے والے کے اپنے الفاظ لکھنے کے لیے۔
( )	قوسین	جہاں کسی دوسری زبان کا لفظ ہو۔

حصّہ (ب)

شعر کا فن

شعر

دوستوں کی محفل تھی۔ بے تکلف گفتگو نے رفتہ رفتہ ہنسی مذاق کی جگہ ایک دوسرے پر طنز اور تضحیک کا رنگ اختیار کرلیا۔ محفل سمٹ سمٹا کر بس دوستوں پر مرکوز ہوگئی۔ شائستہ گفتگو غیر شائستگی میں بدلنے لگی۔ خوش کلامی کی جگہ بدکلامی نے لے لی۔ تو تکرار تک نوبت آ گئی۔ اس سے پہلے کہ کچھ اور صورت پیش آئے۔ ان دونوں میں سے ایک صاحب نے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے رخ بدلنے کی کوشش کی اور مسکراتے ہوئے کہا۔ غالبؔ کا ایک شعر سنیے ؎

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمھیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

بس یہ سننا تھا کہ پہلے صاحب کو کچھ احساس ہوا۔ وہ اپنے رویّے پر شرمندہ ہوئے۔ حالات بے قابو ہونے سے بچ گئے اور وہ بالآخر ایک دوسرے سے گلے مل کر یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے ؎

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بُری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

(مومنؔ)

ایسا اکثر ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے بات چیت کے دوران کوئی مناسب اور برمحل شعر بھی پیش کردیتے ہیں۔ اس لیے کہ شعر ہمارے جذبے اور احساس کو زیادہ متاثّر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم شعر کو بار بار سنتے، پڑھتے اور یاد بھی کرلیتے ہیں۔

غور کیجیے کیا نثر اور شعر دونوں ایک ہی ہیں یا ان میں کچھ فرق بھی ہے؟ جی ہاں! نثر اور شعر کا فرق بہت

واضح ہے۔ نثر یعنی جملوں میں کہی جانے والی بات اور شاعری یعنی شعر میں کہی گئی بات۔ نثر میں بات واضح اور مفصّل انداز سے کہی جاتی ہے اور شعر میں اشارے اور اختصار کے ساتھ۔ لفظوں کی ایک خاص ترتیب کی وجہ سے شعر میں بات زیادہ پُر اثر ہو جاتی ہے۔

''شعر وہ کلام ہے، جس میں لفظوں کی ایک ایسی خاص ترتیب یعنی موزونیت ہو اور اس سے لَے، نغمگی، آہنگ اور اثر پیدا ہو جائے۔''

حسرت موہانی کا شعر ہے۔

شعر در اصل ہیں وہی حسرتؔ
سنتے ہی دل میں جو اُتر جائیں

مصرع

شعر کے دو حصّے ہوتے ہیں۔ ہر حصّہ مصرع کہلاتا ہے۔ پہلے مصرعے کو مصرعۂ اولیٰ اور دوسرے کو مصرعۂ ثانی کہتے ہیں۔ مثلاً:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں (مصرعۂ اولیٰ)
اب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں (مصرعۂ ثانی)

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا (مصرعۂ اولیٰ)
ہم بلبلیں ہیں اِس کی یہ گلستاں ہمارا (مصرعۂ ثانی)

شعر کی طرح بعض مصرعے بھی اتنے مشہور ہوجاتے ہیں کہ ایک مصرعہ ہی مکمل مفہوم اور تاثر پیدا کردیتا ہے اور دوسرے مصرعے کو اس مصرعے کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

مثال کے طور پر یہ چند مصرعے دیکھیے :

ع ادب پہلا قرینہ ہے محبّت کے قرینوں میں

ع اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

ع جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

ع حضرتِ داغؔ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے

ع صاف چُھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

جب ہم کسی مصرعے یا شعر کو کہیں نقل کرتے ہیں تو شعر کو اس ' ؎ ' علامت کے ساتھ اور مصرعے کو 'ع' علامت کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں۔

وزن و بحر

آپ جانتے ہیں کہ کسی چیز کو تولنے، وزن کرنے یا ناپنے کے لیے مختلف قسم کے باٹ اور پیمانے مقرّر ہیں۔ جیسے گرام، لیٹر اور میٹر وغیرہ۔ ٹھیک اسی طرح شعر کہنے اور اسے پرکھنے کے بھی خاص پیمانے ہیں۔ اس پیمانے کو 'وزن' کہا جاتا ہے۔

شاعری میں مختلف اوزان کے مطابق شعر کہا جاتا ہے اور اس کے وزن کو پرکھا جاتا ہے۔ وزن ہی ایک ایسا پیمانہ ہے جو شعر کو نثر سے مختلف بناتا ہے۔ شعر کی موزونیت وزن سے قائم ہوتی ہے۔ اسی لیے شعر کے لیے وزن کی پابندی لازمی قرار دی گئی ہے۔ وزن کی پابندی یعنی موزونیت سے شعر میں نغمگی، لَے اور آہنگ پیدا ہوتا ہے۔ مختلف اوزان کو جب ہم قافیے کی پابندی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں تو اسے 'بحر' کہتے ہیں۔

اب کچھ مقرّرہ اوزان کے پیمانے پر شعر کو پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں:

وزن کے مختلف پیمانے اور بحر کے نام:

فَعُوْلُن فَعُوْلُن فَعُوْلُن فَعُوْلُن
فَعُوْلُن فَعُوْلُن فَعُوْلُن فَعُوْلُن

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

ستارو/سِ آگے/ جہا اَو/ ربھی ہیں
ابھی عش/ ق کے ام/ تحا او/ ربھی ہیں

مَفَا عِیْلُن مَفَا عِیْلُن مَفَا عِیْلُن مَفَا عِیْلُن
مَفَا عِیْلُن مَفَا عِیْلُن مَفَا عِیْلُن مَفَا عِیْلُن

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ہزارو خا/ ہشے اے سی/ کِ ہر خا ہش/ پ دم نک لے
بہت نک لے/ مرے ارما/ ن لےَ کن پھر/ بھ کم نک لے

اب غور کیجیے کہ ان دونوں مثالوں میں شعر کے الفاظ کی تعداد کہیں کم اور کہیں زیادہ ہے۔ الفاظ کی اسی

کمی بیشی سے وزن ظاہر ہوتا ہے اور اسی سے بحر مقرّر رہوتی ہے۔ پہلی مثال میں فعولُن کی چار بار تکرار ہے اور اس وزن پر بحر کا نام ہے: 'بحرِ متقارب'۔ دوسری مثال میں 'مفاعیلن' کی چار بار تکرار ہے اور اس وزن پر بحر کا نام ہے: 'بحرِ ہزج'۔ مختلف اوزان اور بحروں سے تفصیلی واقفیت کے لیے علمِ عروض کی کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

قافیہ

یہ شعر پڑھیے:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

ہستی اپنی حَباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
لیکن اپنا اپنا دامن

اوپر دیے گئے شعروں میں خط کشیدہ لفظوں پر غور کیجیے:

- دم کم
- جہاں امتحاں
- حباب سراب

- گلشن دامن

یہ لفظ ایک جیسی آواز پر ختم ہوتے ہیں اور ان سب میں آخری حرف یا حروف مشترک بھی ہیں، جیسے:
دم اور کم میں 'م'۔ حباب اور سراب میں 'اب'، جہاں، امتحاں میں 'اں' اور گلشن اور دامن میں 'ن'۔

''وہ لفظ جو یکساں آواز اور یکساں حرف/حروف پر ختم ہوتے ہیں، انھیں قافیہ کہتے ہیں۔''

قافیے سے شعر میں نغمگی اور ترنّم پیدا ہوتا ہے۔

ذیل کی مثالوں میں قافیوں کو پہچانیے:

اک معمّا ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کا ہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

ردیف

قافیے کے تعلق سے آپ نے ابھی کئی شعر پڑھے۔ چوتھے شعر کے قافیے تھے، 'گلشن' اور 'دامن'۔ یہ شعر تو قافیے پر ہی ختم ہوگیا۔ اس کے بعد اور شعر دیکھیے۔ ہر شعر میں قافیے کے بعد کچھ اور بھی ہے۔

شعر نمبر 1 میں 'دم' اور 'کم' قافیوں کے بعد 'نکلے'

شعر نمبر 2 میں 'جہاں' اور 'امتحاں' قافیوں کے بعد 'اور بھی ہیں'۔

شعر نمبر 3 میں 'حباب' اور 'سراب' قافیوں کے بعد 'کی سی ہے'۔

''عام طور پر اشعار میں قافیے کے بعد جو لفظ یا الفاظ دہرائے جاتے ہیں، انھیں ردیف کہتے ہیں۔''

ردیف کی کچھ اور مثالیں دیکھیے :

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے
جو گزری مجھ پہ مت اُس سے کہو ہُوا سو ہُوا
بلاکشانِ محبّت پہ جو ہُوا سو ہُوا
وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ وزن شعر کا لازمی جزو ہے۔ قافیہ اور ردیف شعر کے لیے ضروری نہیں ہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ قافیہ اور ردیف سے شعر کی نغمگی، حسن اور اثر آفرینی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

شعر کے مفہوم و معنی اور اہمیت سے متعلق یہاں پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کی کتاب 'ہماری شاعری' سے یہ چند جملے نقل کیے جاتے ہیں:

'' کامل شعر وہی ہے جس میں موزونیت بھی ہو اور اثر بھی۔ کلام کے موزوں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے جن کو ادا کرتے وقت آواز میں ایک خوبصورت تسلسل یا ترنم پیدا ہو جائے اور ایک خاص طرح کی لذّت حاصل ہو۔ اس لذّت کا احساس انسان کی فطرت میں داخل ہے اور اسی فطری احساس پر غور کرنے اور تجزیہ کرنے سے وہ اوزان دریافت ہوئے جن کی مطابقت سے کلام میں موزونیت پیدا ہوتی ہے۔

لیکن موزونیت کے تحت شعر کے نئے اوزان دریافت کرنے کا امکان اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ لفظوں کا وہ مجموعہ جس میں موزونیت کی صفت پائی جائے ،مصرعہ کہلاتا ہے۔ شاعری جذبات کی ترجمانی ہے اور انسان کے گہرے جذبات فطرتاً موزونیت اور موسیقیت کے ساتھ ظاہر کیے جاتے ہیں۔تعلیم کا مقصد یہی تو ہے کہ قدرت نے جو قوّتیں انسان کی فطرت میں چُھپا رکھی ہیں،وہ ظاہر کردی جائیں۔مگر اس طرح کہ ان کا قدرتی تناسب اور توازن بگڑنے نہ پائے۔اس صورت میں اگر یقین ہوجائے کہ انسان میں کچھ قوّتیں ایسی بھی ہیں جن کی ترقی بالکل یا بہت کچھ شعر کی محتاج ہے تو نظامِ تعلیم میں شعر کی جگہ نکل آئے گی۔جذبات کی تربیت کا شعر سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں اور کوئی نظامِ تعلیم انھیں نظرانداز نہیں کرسکتا۔‘‘

شعری ہیئتیں

مسمطّ :

شعر کی اصطلاح میں مسمطّ ایسی نظم کو کہتے ہیں، جو کئی بندوں میں لکھی جائے۔ ایک بند میں اشعار کی تعداد تین سے لے کر دس تک ہوتی ہے۔ مسمطّ کے ہر بند میں مصرعوں کی تعداد برابر ہونی چاہیے۔ یعنی پہلا بند اگر پانچ مصرعوں کا ہے تو بعد کے تمام بند بھی پانچ پانچ مصرعوں کے ہوں گے۔

مسمطّ کی آٹھ قسمیں ہوتی ہیں:

مثلّث : جس کے ہر بند میں تین مصرعے ہوتے ہیں۔

مربعّ : جس کے ہر بند میں چار مصرعے ہوتے ہیں۔

مخمّس : جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں۔

مسدّس : جس کے ہر بند میں چھے مصرعے ہوتے ہیں۔

مسبعّ : جس کے ہر بند میں سات مصرعے ہوتے ہیں۔

مثمّن : جس کے ہر بند میں آٹھ مصرعے ہوتے ہیں۔

متسعّ : جس کے ہر بند میں نو مصرعے ہوتے ہیں۔

معشّر : جس کے ہر بند میں دس مصرعے ہوتے ہیں۔

ترجیع بند:

ترکیب بند اور ترجیع بند میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ ترکیب بند میں ٹیپ کا شعر ہر بار بدلتا ہے جب کہ ترجیع بند میں ٹیپ کا شعر تبدیل نہیں ہوتا، ہر بند کے آخر میں جوں کا توں دہرایا جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہر

بند کے آخر میں صرف ایک مصرعہ ہی بار بار لایا جاتا ہے۔ اس میں مثالیں بہت کم ہیں۔ نظیؔر اکبرآبادی کی نظم ''بنجارہ نامہ'' اس کی ایک معروف مثال ہے۔

ترکیب بند:

اس کے ہر بند میں عام طور پر پانچ سے گیارہ تک اشعار ہوتے ہیں۔ ہر بند میں غزل کی طرح مستقل قافیہ ہوتا ہے۔ لیکن ہر بند کا قافیہ دوسرے بند سے مختلف ہوتا ہے۔ پورے ترکیب بند کا ایک ہی بحر میں ہونا ضروری ہے۔ ہر بند کے آخر میں ٹیپ کا شعر ہوتا ہے جس کا وزن تو باقی نظم کے موافق ہوتا ہے لیکن اس کا قافیہ مختلف ہوتا ہے۔ اس شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں نیز ٹیپ کا یہ شعر ہر بند کے آخری شعر سے مربوط ہوتا ہے۔ ترکیب بند میں ہر بند کے اشعار کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور یکساں بھی ہوسکتی ہے۔ ترکیب بند کی مثال حاؔلی کی نظم ''مرثیۂ غالبؔ'' یا اقباؔل کی نظم ''مسجدِ قرطبہ'' ہے۔

فرد:

ایک شعر فرد کہلاتا ہے۔ بیت اور فرد میں یہ فرق ہے کہ بیت ہر شعر کو کہا جاسکتا ہے جب کہ فرد وہ شعر ہے جو اکیلا ہی کہا گیا ہو۔ بعض اوقات شاعر صرف ایک شعر موزوں کر کے چھوڑ دیتا ہے۔ یہ شعر اکیلا ہی دیوان یا کلیات میں شامل ہوجاتا ہے۔ اس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ بھی ہوسکتے ہیں اور نہیں بھی۔

بیت:

ایک بیت میں دو مصرعے ہوتے ہیں۔ اردو میں بیت کے لیے لفظ شعر زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ہم رباعی کو ''دوبیتی'' بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں دو شعر ہوتے ہیں۔

علمِ بیان

اس شعر کو پڑھیے اور غور کیجیے:

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

کسی بات کو دل کش اور پُر اثر انداز سے کہنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں۔

''وہ علم جس کے ذریعے ہم کسی بات/ کلام کو دل کش اور پُر اثر بناتے ہیں، ''علمِ بیان'' کہلاتا ہے۔''

زبان و بیان پر قدرت ہو تو کہنے والا ایک ہی خیال کو نت نئے انداز سے ادا کر سکتا ہے، اس خوبی سے کہ اس میں دل کشی اور اثر بھی رہے اور ایجاز و اختصار بھی۔

میر انیسؔ کا یہ بند پڑھیے اور اس کے ذریعے علمِ بیان کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کیجیے:

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں　　قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرّے کی چمک مہرِ منوّر سے ملا دوں　　خاروں کو نزاکت میں گُلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

''اک رنگ کا مضمون سو رنگ سے باندھنا'' یہی علمِ بیان ہے۔

کسی خیال کو پیش کرنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں، جیسے: تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مجازِ مرسل وغیرہ۔
یہ اجزا نثر اور شعر دونوں میں برتے جاتے ہیں۔

تشبیہ

(Simile)

میر تقی میرؔ کا یہ شعر پڑھیے:

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے　　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

اس شعر میں لب (ہونٹ) کو گلاب کی پنکھڑی کے مانند بتایا گیا ہے۔

''کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے مانند بتانا، تشبیہ کہلاتا ہے۔'' ان دونوں چیزوں میں کسی نہ کسی طرح کی مشابہت کا ہونا ضروری ہے۔

تشبیہ کے چار جز ہیں:

1. مشبّہ: جس چیز کی تشبیہ دی جائے۔ جیسے: لب کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دی گئی ہے اسے مشبّہ کہتے ہیں۔
2. مشبہ بہ: جس چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ جیسے: گلاب کی پنکھڑی سے لب کو تشبیہ دی گئی ہے۔
3. وجہ یا غرض تشبیہ: ایک شے کو دوسری شے سے تشبیہ دینے کی کوئی وجہ یا غرض ہوتی ہے۔ جیسے: نازک سرخ لب کو گلاب کی پنکھڑی اس لیے کہا گیا کہ گلاب کی پنکھڑی نازک اور سرخ ہوتی ہے۔ ان دونوں میں نزاکت اور سرخ رنگ وجہ تشبیہ/ وجہ شبہ ہے۔
4. حرفِ تشبیہ: وہ لفظ جو تشبیہ ظاہر کرے۔ میر کے اس شعر میں لفظ ''سی'' حرفِ تشبیہ ہے۔ 'سی' کے علاوہ جیسا، ایسا، ویسا، سا، مانند، طرح، گویا، یوں، وغیرہ الفاظ بھی تشبیہ کو ظاہر کرتے ہیں، یہ حرفِ تشبیہ ہیں۔

استعارہ
(Metaphor)

حسرت موہانی کی غزل کا درج ذیل مطلع پڑھیے اور غور کیجیے کہ انھوں نے محبوب کی تعریف کے لیے کیا الفاظ استعمال کیے ہیں:

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام
دہکا ہوا ہے آتشِ گُل سے چمن تمام

دوسرے مصرعے میں آتشِ گُل استعمال ہوا ہے۔ آتشِ گُل سے مراد ہے 'دہکتا ہوا پھول' یا بہت خوبصورت پھول۔ شاعر نے اس مصرعے میں یہ نہیں کہا کہ اس کے محبوب کا حسن آتشِ گُل کی مانند ہے۔ اس نے صرف آتشِ گُل کہا اور ہم نے سمجھ لیا کہ اس کا مطلب دہکتا ہوا پھول نہیں بلکہ جمال یار یعنی محبوب کا حسن ہے۔ یہاں لفظ کو اپنے اصل معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

''وہ لفظ جو اپنے اصلی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کیا جائے اور دونوں معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو، اُسے استعارہ کہتے ہیں۔''

استعارہ لفظ 'مستعار' سے بنا ہے جس کے معنی 'ادھار لینا' ہے۔ اسی لیے استعارے میں لفظ اپنے لغوی معنی کے بجائے کسی اور معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ البتّہ دونوں لفظوں کے مابین کسی خصوصیت کی بنا پر تشبیہ کا تعلق ضرور پایا جاتا ہے۔

استعارے اور تشبیہ میں گہرا تعلق ہے۔ تشبیہ ہی کی طرح استعارے میں مشبّہ اور مشبّہ بہ ہوتا ہے۔ تاہم

استعارے میں مشبّہ کو مستعار لہٗ اور مشبّہ بہ کو مستعار مِنہٗ کہتے ہیں۔

ان دونوں کے مابین ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ تشبیہ میں کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے جیسا بتایا جاتا ہے اور اس کے اظہار کے لیے حرفِ تشبیہ یعنی 'جیسا'، 'کی طرح'، 'مانند' وغیرہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، جب کہ استعارے میں یہ الفاظ نہیں ہوتے۔

نیچے دی ہوئی مثالوں کو دیکھ کر یہ فرق اور واضح ہو جائے گا:

تشبیہ	استعارہ
زید رستم کی طرح ہے	زید رستم ہے
احمد فرشتے جیسا ہے	احمد فرشتہ ہے
شکیلہ چاند کی مانند ہے	شکیلہ چاند ہے

عام طور پر استعارے میں صرف مستعار مِنہٗ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد مستعار لہٗ ہوتا ہے۔ سیدھے سادے انداز میں اسی بات کو یوں سمجھیے کہ استعارے میں جس چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے صرف اسی کا ذکر کر دیتے ہیں اور اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جسے تشبیہ دی گئی ہے۔

مثال کے طور پر مثنوی 'سحر البیان' میں جب شہزادہ بے نظیر کو پری چھت سے اٹھا لے جاتی ہے تو بادشاہ کا ردِّعمل اس طرح ہوتا ہے۔

کہا شہ نے واں کا مجھے دو پتا   عزیزو! جہاں سے وہ یوسف گیا

یوسف جیسا بے نظیر کہاں گیا۔ صرف یوسف کہنے سے ہی ہم نے سمجھ لیا کہ یہ بے نظیر کا استعارہ ہے۔

کنایہ

امیرؔ مینائی کا ایک شعر ہے:

اس چمن میں طائرِ کم پرَ اگر میں ہوں تو کیا
دور ہے صیاد ابھی اور آشیاں نزدیک ہے

اس شعر میں طائرِ کم پر سے مراد ہے کم اڑنے والا پرندہ۔ ایسا پرندہ جو تیز رفتار نہ ہو۔ کم پر کہہ کر شاعر نے بات واضح نہیں کی بلکہ بات پوشیدہ رکھی۔

''بات کا پوشیدہ رکھ کر کہنا یا مخفی اشارہ، کنایہ کہلاتا ہے۔''

کنایہ وہ لفظ ہے جس کے حقیقی یا اصلی معنی مراد نہ ہوں بلکہ غیر حقیقی معنی مراد لیے جائیں۔

غالبؔ کا ایک شعر ہے:

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہیں، جنوں نہیں، وحشت نہیں مجھے

اس شعر میں بھی کسی کی طرف ایک مخفی اشارہ ہے۔ جس کا نام پوشیدہ رکھ کے کنایہ کا استعمال کیا گیا ہے۔

مجاز مرسل

میرؔ کا یہ شعر پڑھیے۔

غضب آنکھیں، ستم ابرو، عجب منہ کی صفائی ہے
خدا نے اپنے ہاتھوں سے تری صورت بنائی ہے

دوسرے مصرعے میں لفظ ''ہاتھوں'' اپنے اصلی یا حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس سے مراد ''خدا کی قدرت'' ہے۔

''جب کسی لفظ کو اس کے اصل معنی کے بجائے مجازی یا دوسرے معنی میں استعمال کیا جائے تو، اسے مجازِ مرسل کہتے ہیں۔''

حالیؔ کا ایک شعر۔

ہنر کا جہاں گرم بازار ہے اب
جہاں عقل و دانش کا بیوپار ہے اب

اس شعر میں گرم بازار سے مراد ''ترقّی'' ہے۔ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ اب جو لوگ ہنر مند ہیں وہی ترقّی کررہے ہیں۔ شاعر نے براہ راست بات نہ کہہ کر شاعرانہ انداز سے شعر میں ایک معنوی خوبی پیدا کردی ہے۔

علمِ بدیع

کلام میں حُسن ،اثر اور زور پیدا کرنے کے لیے اسے بہت سی خوبیوں کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔قواعد کی زبان میں انھیں ہم صنائع بدائع کے نام سے جانتے ہیں۔'صنائع' صنعت کی جمع ہے۔اس کا مطلب ہے' کاری گری/ ہنرمندی' اور 'بدائع' بدیع کی جمع ہے۔ اس کا مطلب ہے تازگی اور انوکھا پن۔

''بدیع'' وہ علم ہے جس سے کلام کے معنوی یا ظاہری حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔'' 'بدیع' کو علمِ معنی بھی کہتے ہیں۔ اس علم کے تحت کلام میں استعمال ہونے والی مختلف صنعتوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

'صنائع بدائع' کو شاعری کا زیور کہا گیا ہے۔ ان سے شعر کو لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے سجایا جاتا ہے۔

شعر میں صنعتوں کا استعمال بذاتِ خود شاعری کا مقصد نہیں اور نہ ہی کسی صنعت کا استعمال شاعری کا اصل مقصد ہوتا ہے۔لیکن ان سے شعر کے حسن اور تاثّر میں اضافہ ہوجاتا ہے۔شعر میں لفظی اور معنوی دو طرح کی خوبیاں (صنائع لفظی و معنوی) ہوتی ہیں۔

صنائع لفظی سے مراد وہ خوبیاں ہیں جو الفاظ کو خصوصی رعایت اور ہنر مندی کے ساتھ استعمال کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔لفظی خوبیاں (صنائع لفظی) ذہن کو کلام کی فکری و معنوی خوبیوں کی طرف لے جائیں تو انھیں ''صنائع معنوی'' کہتے ہیں۔

تجنیس

یہ شعر غور سے پڑھیے:

گلے سے ملتے ہی جتنے گِلے تھے بھول گئے
وگرنہ یاد تھیں ہم کو شکایتیں کیا کیا

اس شعر میں لفظ گلے اور گِلے املا کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں مگر تلفظ اور معنی کے اعتبار سے مختلف۔ تجنیس کے لغوی معنی ہیں ایک جیسا / یکساں۔

''کلام میں دو یا دو سے زیادہ ایسے الفاظ جو تلفظ یا املا کے لحاظ سے تو ایک جیسے ہوں، مگر معنی کے اعتبار سے مختلف ہوتو شعر کی یہ خوبی، حسنِ صنعتِ تجنیس کہلاتی ہے۔''

ذیل میں صنعتِ تجنیس کی کچھ اور مثالیں پڑھیے:

دل میں پیدا ہمّتِ پروانہ کر
ورنہ مرغِ شوق کے پر وانہ کر

آدمی کہتے ہیں جس کو ایک پتلا کل کا ہے
پھر کہاں کل اس کو گر کل ہو ذرا بگڑی ہوئی

لف ونشر

غالبؔ کا یہ شعر پڑھیے:

نہ ہمّت نہ دل ہے نہ قسمت نہ آنکھیں
نہ ڈھونڈا، نہ سمجھا، نہ پایا، نہ دیکھا

یہاں پہلے مصرعے میں 'ہمت'، 'دل'، 'قسمت' اور 'آنکھیں' الفاظ ایک ساتھ استعمال کیے گئے ہیں۔ پھر ان کی مناسبت سے دوسرے مصرعے میں وضاحت کی گئی ہے۔ ہمت کے لیے ڈھونڈا، دل کے لیے سمجھا، قسمت کے تعلق سے پایا اور آنکھیں کے واسطے دیکھا، الفاظ لائے گئے ہیں۔ شعر میں اس سے معنوی خوبی پیدا ہوگئی ہے۔

’’شعر میں پہلے چند چیزوں کو ایک ترتیب سے بیان کرنا پھر ان کی مناسبت سے وضاحت کرنا، لف ونشر کہلاتا ہے۔‘‘

لف کے معنی ہیں لپیٹنا اور نشر کے معنی ہیں پھیلانا۔ جیسا کہ پہلے مصرعے میں چند چیزوں کو ایک ترتیب سے بیان کیا گیا۔ یہ ’لف‘ ہے۔ پھر ان کی مناسبت سے دوسرے مصرعے میں بات کو پھیلایا گیا یہ ’نشر‘ ہے۔ لف ونشر کی دو قسمیں ہیں۔ مرتّب اور غیر مرتّب ۔’لف ونشر مرتّب‘ سے مراد یہ ہے کہ پہلے مصرعے میں الفاظ کی جو ترتیب ہو، اسی نسبت سے دوسرے مصرعے میں وضاحت کی جائے جیسا کہ اوپر کے شعر میں آپ نے دیکھا۔ لف ونشر غیر مرتّب سے مراد یہ ہے کہ پہلے مصرعے کی ترتیب کے مطابق دوسرے مصرعے میں وضاحت اُسی ترتیب سے نہ ہو۔

میر انیسؔ کا یہ شعر دیکھیے۔

قبضوں سے تیغ، جسم سے روحیں، تنوں سے سر ‏ ‏ ‏ چُھپتی تھیں، بھاگی جاتی تھیں، گرتے تھے خاک پر

چُھپتی تھیں ’’جسم سے روحیں‘‘ کے لیے ہے ’’بھاگی جاتی تھیں‘‘ تیغ کے لیے اور گرتے تھے خاک پر سے مراد تنوں سے سر کا جدا ہو کر گرنا ہے۔ جو ترتیب پہلے مصرعے میں ہے اس کی وضاحت دوسرے مصرعے میں بدل گئی۔ اس ترتیب کا بدلنا لف ونشر غیر مرتّب کہلاتا ہے۔

ایک اور شعر دیکھیے:

کبھی جو زلف اٹھادے تو منہ نظر آئے ‏ ‏ ‏ اسی امید پہ گزری ہے صبح وشام ہمیں

پہلے مصرعے میں زلف اور پھر منہ کا ذکر ہے۔ دوسرے مصرعے میں صبح کا لفظ منہ کے لیے اور شام کا لفظ زلف کے لیے لائے ہیں یہاں بھی ترتیب بدل گئی۔

مراعاۃ النّظیر

یہ شعر پڑھیے:

پتّہ پتّہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

پہلے مصرعے میں 'پتّہ' پھر 'بوٹا' دوسرے مصرعے میں 'گل' اور 'باغ' میں باہمی مناسبت ہے۔

''کلام میں پہلے ایک ایسا لفظ لانا جس کی مناسبت یا تعلق سے دوسرے الفاظ کسی ایک مصرعے یا شعر میں جمع ہو جائیں، اسے مراۃ النّظیر کہتے ہیں۔''

رعایتِ لفظی: اس شعر پر غور کیجیے:

پانی تھا آگ گرمیِ روز حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

اس شعر میں 'پانی' اور 'آگ' میں تضاد ہے اور تضاد بھی تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ دوسرے مصرعے میں 'پانی' کی مناسبت سے ماہی (مچھلی) اور آگ کی مناسبت سے گرمی اور سیخ کے تعلق سے کباب کا ذکر ہوا ہے۔

''شعر میں ایسی چیزیں جمع کرنا جن میں کوئی نہ کوئی تعلق ہو، خواہ آپس میں ضد ہو، اسے رعایتِ لفظی کہتے ہیں۔''

بظاہر مراعاۃ النظیر اور رعایتِ لفظی اپنی لفظی خصوصیات کی بنا پر ایک ہی صنعت نظر آتی ہیں۔ لیکن مراۃ النّظیر میں تضاد یا متضاد الفاظ کا استعمال نہیں ہوتا۔

کام میں باہمی مناسبت کے ساتھ لفظوں کا استعمال صنعت مراعاۃ النّظیر کہلاتا ہے۔

اب کچھ اور مثالوں کے ساتھ اس صنعت کا لطف لیجیے:

کبھی شاخ وسبزہ وبرگ پر کبھی غنچہ وگل وخار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں مرا حق ہے فصلِ بہار پر

صراحی ہے نہ صہبا ہے نہ کوئی جام ہے ساقی
ترے رندوں کی محفل میں خدا کا نام ہے ساقی

تضاد

میرؔ کی غزل کا یہ مشہور شعر پڑھیے:

یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا اور دن کو جوں توں شام کیا

اس شعر میں ان لفظوں پر غور کیجیے:

سپید سیہ — رات دن — صبح شام

شاعر نے ایسے الفاظ سے شعر کو سجایا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

''کلام میں ایسے الفاظ کا لانا جو ایک دوسرے کی ضد ہوں، تضاد کہلاتا ہے۔''

ذیل کے اشعار میں بھی تضاد کا مزہ لیجیے:

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

درد منّت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھّا ہوا، بُرا نہ ہوا

تلمیح
(Allusion)

آپ کو افسؔر میرٹھی کی نظم کا یہ مصرعہ خوب یاد ہوگا

ع خضر کا کام کروں راہ نما بن جاؤں

یا پھر غالؔب کی غزل کا یہ شعر بھی آپ کے ذہن میں ہوگا۔

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

ان دونوں مثالوں میں لفظ 'خضر' اور 'نمرودؔ' آئے ہیں۔ حضرتِ خضر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بھوُلے بھٹکوں کو راستہ دکھاتے ہیں۔

'نمرودؔ' ایک بادشاہ کا نام ہے جس نے اپنے دور میں خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ جب تک ان کے بارے میں

نہ معلوم ہو شعر کا مفہوم واضح نہیں ہوسکتا۔

''کلام میں جب کسی مشہور واقعہ، شخص، مقام یا روایت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تو اسے 'تلمیح' کہتے ہیں۔''

تلمیح کے استعمال سے شعر میں ایک بڑا مضمون مختصر لفظوں میں بیان ہوجاتا ہے۔

'تلمیح' کی کچھ اور مثالیں درج ذیل ہیں:

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی — میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا — جامِ جم سے یہ مرا جامِ سفال اچھا ہے
لازم نہیں کہ سب کو ملے ایک سا جواب — آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی
نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا — مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

حُسنِ تعلیل

غالبؔ کا یہ شعر پڑھیے:

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں — خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

غالبؔ نے اس شعر میں مختلف قسم کے پھولوں کے کھلنے کا سبب یہ بتایا ہے کہ زمین کے اندر جو حسین چہرے اور ہستیاں دفن ہیں گویا انھیں کا عکس لالہ وگل میں نمایاں ہوگیا ہے۔

لالہ وگل یعنی پھولوں کا کھِلنا فطری عمل ہے مگر شاعر نے اس کا کچھ اور سبب بتایا ہے۔

''شعر میں کسی بات کا وہ سبب بیان کرنا جو حقیقت میں اس کا سبب نہ ہو، ''حسنِ تعلیل'' کہلاتا ہے۔''

صنعتِ حسنِ تعلیل کی کچھ اور مثالیں دیکھیے :

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا
ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ پانی بھی موج بن کر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو

ایہام

اس شعر کو غور سے پڑھیے:

میکش کو ہوس ایاغ کی ہے پروانے کو لَو چراغ کی ہے

اس شعر میں لفظ 'لَو' پر غور کیجیے۔ اس کے ایک معنی ہیں '' شعلہ'' اور دوسرے معنی ہیں 'شوق/آرزو' لیکن شاعر نے یہاں 'لَو' کو دوسرے معنی 'شوق/ آرزو' میں استعمال کیا ہے۔

'' کلام میں ایسے الفاظ کا استعمال جس کے دو معنی ہوں ایک قریب کے اور دوسرے دور کے اور شاعر کی مراد دور کے معنی سے ہو تو لفظ کا یہ استعمال، '' ایہام' کہلاتا ہے۔''

ایہام کے لغوی معنی ہیں 'وہم میں ڈالنا' شاعر اپنے کلام میں ایک ایسے لفظ سے وہم میں ڈالتا ہے جس کے دو معنی ہوتے ہیں۔ پڑھنے والا بظاہر قریب کے معنی سمجھتا ہے مگر شاعر دور کے معنی مراد لے کر اپنا مدعا بیان کرتا ہے۔

اب کچھ اور مثالیں دیکھیے :

کیوں منڈاتا ہے زلف کو پیارے دیکھ تجھ کو کہیں گے سب مورکھ
نظر آتا نہیں وہ ماہ رُو کیوں گزرتا ہے مجھے یہ چاند خالی

مبالغہ

ان اشعار کو پڑھیے اور غور کیجیے:

وعدۂ شام پہ کی ہم نے عبث جاگ کے صبح / وہ اُسی وقت نہ آتے اگر آنا ہوتا
تم سلامت رہو ہزار برس / ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر / بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

ان اشعار میں بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔

- ☆ پہلے شعر میں رات بھر جاگ کر صبح کرنا۔
- ☆ دوسرے شعر میں ہزار برس جینے کی دعا دینا۔
- ☆ تیسرے شعر میں گرمی کی شدت کا یہ حال کہ جو دانہ زمین پر گر جائے فوراً بھُن جائے۔

''کلام میں کسی حالت، بات یا کیفیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا، 'مبالغہ' کہلاتا ہے۔''

مبالغہ کی تین شکلیں ہیں:

پہلے شعر میں رات بھر جاگ کر صبح کر دینا عقل اور عادت دونوں اعتبار سے ممکن ہے۔

'' مبالغہ کی یہ شکل کہ جب کوئی بات عقلی اور عملی دونوں طرح ممکن ہو، ''تبلیغ'' کہلاتی ہے۔''

دوسرے شعر میں ہزار برس جینے کی دعا عقلی طور پر تو ممکن ہوسکتی ہے مگر عملی طور پر نہیں۔

''مبالغہ کی یہ صورت جب کوئی بات عقلی طور پر تو ممکن ہو لیکن عملی طور پر ممکن نہ ہو، اسے اغراق کہتے ہیں۔''

تیسرے شعر میں گرمی کی شدّت کا یہ بیان کہ دانہ زمین پر گرتے ہی بھُن جائے یہ بات نہ عقلی طور پر صحیح ہے نہ عملی طور پر ممکن ہے۔

''مبالغے کی یہ انتہائی شکل کہ جب کوئی بات عقلی اور عملی کسی طور پر بھی ممکن نہ ہو، ''غلو'' کہلاتی ہے۔''

ذیل کی مثالوں میں مبالغے اور اس کی مختلف شکلوں کو پہچانیے :

''مجمع میں تلِ رکھنے کی جگہ نہ تھی۔''

''جناب آپ کے تو بڑے ٹھاٹھ ہیں، روز صبح کا ناشتہ دہلی میں تو کھانا لندن میں کھاتے ہیں۔''

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے   بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پانی تھا آگ گرمئی روزِ حساب تھی   ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

حصّہ (ج)

نثری اصناف

داستان

اردو کے افسانوی ادب(Fiction) کی تاریخ میں جن اصناف کی خاص اہمیت ہے، اُن میں ناول اور افسانے کے علاوہ داستان بھی شامل ہے۔ افسانوی ادب کی اِن اصناف میں داستان سب سے قدیم ہے۔ بنیادی طور پر داستان کافن بیانیہ کافن ہے۔جس کا زیادہ تعلق سننے سنانے سے ہے۔ اردو میں داستان گوئی کی روایت کسی نہ کسی طور پر آج بھی قائم ہے۔

داستان کے بارے میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ داستان کسی ایک واقعہ پرمبنی نہیں ہوتی، ایک قصّے کے بعد ہی دوسرا قصّہ شروع ہوجاتا ہے اور ہر قصّہ ایک خاص انجام کو پہنچتا ہے۔ قصّہ در قصّہ کی یہ کیفیت داستان کو ایک سلسلے وارلڑی کے طور پر قائم رکھتی ہے۔ اسی بِنا پر داستان طویل ہوتی چلی جاتی ہے۔

داستان میں ایک مرکزی کردار ہوتا ہے۔کسی بڑی مہم کو سر کرنے کے لیے وہ کئی طرح کے خطرناک مرحلوں سے گزرتا ہے۔ جب وہ مہم سر ہوجاتی ہے تو ایک خاص منزل پر داستان اپنے انجام تک پہنچتی ہے۔ عام طور پر داستانوں کا انجام خوش گوار ہوتا ہے۔

داستان میں دلچسپی کو برقرار رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سُننے یا پڑھنے والے کے تحیّر اور تجسّس کو قائم رکھے۔ مافوق الفطرت عناصر اور کردار بھی تحیّر کی فضا کو قائم رکھنے میں معاون ہوتے ہیں۔ داستان کو ایک کے بعد ایک کئی منتہاؤں(Climaxes) سے اسی لیے گزارا جاتا ہے اور اسی مناسبت سے موثر زبان استعمال کی جاتی ہے کہ داستان کی طوالت اکتاہٹ کا سبب نہ بن جائے۔

ناول

ناول ایک نثری بیانیہ ہے۔ جس کی طوالت کی کوئی حد مقرّر نہیں ہے۔ مغرب ہی میں نہیں اردو میں بھی دو ہزار سے زیادہ صفحات پر پھیلے ہوئے ناول کی مثال ملتی ہے۔ بعض حضرات مختصر ناول کو ناولٹ بھی کہتے ہیں۔

ناول زندگی کی طرح وسیع ہوتا ہے۔ اس کے لیے کسی خاص موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ زندگی کے ہر رنگ اور ہر تجربے کو موضوع بنایا جا سکتا ہے۔ اسی لیے ناول کے فن کو لچک دار بھی کہا گیا ہے۔ لچک کی اسی بنیاد پر ہر ناول کی تکنیک بھی ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہے۔ نقطۂ نظر میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اگرچہ ناول کی کسی ایک تعریف کو حتمی قرار نہیں دیا جا سکتا پھر بھی بعض ایسی خصوصیات ہیں جن کی کم یا زیادہ پابندی اکثر ناول نگاروں نے کی ہے۔

- ناول میں ایک خاص فنّی تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ اُس کے مختلف جُزوں میں بکھراؤ پیدا نہ ہو سکے۔
- ناول میں پلاٹ ہی اُسے ایک خاص تنظیم مہیا کرتا ہے جس میں ہر واقعہ دوسرے واقعے کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ ایسے ناول بھی لکھے گئے ہیں جنھیں پلاٹ سے عاری کہا جاتا ہے یا جوڑ ڈھیلے پلاٹ پر مبنی ہوتے ہیں۔
- ناول ایک جدید فن ہے جسے جدید عہد کا رزمیہ بھی کہا گیا ہے۔ ناول کے کردار حقیقت سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ بعض کردار موضوع کے تقاضے کے مطابق ٹائپ یا جامد بھی کہے جا سکتے ہیں۔ کردار اس وقت ایک فرد کی شکل لے لیتا ہے جب وہ اپنی انفرادیت کا احساس دلاتا ہے۔ ایک زندہ کردار میں وقت، حالات یا کسی نفسیاتی جبر کے تحت تبدیلیاں بھی واقع ہوتی ہیں۔ زندہ کردار ہی کسی کامیاب ناول کے ضامن ہوتے ہیں۔
- ناول میں جزئیات نگاری کا بھی خاص درجہ ہے، جسے صورتِ حال اور موضوع کے مطابق ہونا چاہیے۔

'ناول نگار' موقع کی مناسبت سے ایک ایک جُز کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اس قسم کی تفصیلات کردار اور صورتِ حال کو معنی خیز بنانے میں معاون ہوتی ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جُزئیاتی تفصیل صورتِ حال اور موضوع کے مطابق

ہونی چاہیے۔

- ناول میں زبان وبیان یا اسلوب کی بھی خاص اہمیت ہے جس سے سلیقۂ اظہار کا پتہ چلتا ہے۔ ناول کی زبان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تخلیقی ہونے کے باوجود اپنے عہد کی زبان سے مطابقت رکھتی ہو۔
- ہر ناول کا ایک نقطۂ نظر ہوتا ہے، جو اس کے موضوع اور مقصد کی ترجمانی کرتا ہے۔

''ناول، نثری بیانیہ کا فن ہے۔ جس کی تشکیل میں پلاٹ، کردار، طرز ادا اور نقطۂ نظر کا خاص رول ہوتا ہے۔''

افسانہ

اردو میں افسانے کو مختصر افسانہ یا کہانی بھی کہا جاتا ہے۔ اردو افسانوی ادب کی تاریخ میں داستان کے بعد ناول، پھر افسانے کی منزل آتی ہے۔ افسانہ ایک مقبول ترین صنف ہے جسے ایک نشست میں پڑھا جا سکتا ہے۔ ناول اگر زندگی کے ایک دور کا احاطہ کرتا ہے تو افسانہ زندگی کے کسی ایک پہلو یا ایک انسانی تجربے پر مبنی بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کسی ایک واقعے یا اس واقعے کے تاثر کی بنیاد پر افسانے کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔

افسانہ کے فن میں پلاٹ، کردار، تکنیک اور زبان واسلوب کی خاص اہمیت ہے۔ پلاٹ، واقعے کی ایسی ترتیب ہے جس میں افسانے کے تمام اجزا باہم مربوط ہوتے ہیں۔ اردو میں بغیر پلاٹ کے افسانے بھی لکھے گئے ہیں۔

افسانے میں اختصار کی خاص اہمیت ہے، اس لیے اکثر افسانے کسی ایک کردار پر مرکوز ہوتے ہیں۔ کرداروں کی بہتات افسانے کو بوجھل اور غیر دلچسپ بنا دیتی ہے، اس لیے افسانے میں کردار بھی کم ہوتے ہیں یا صرف ایک ہی کردار ہوتا ہے۔

چوں کہ افسانہ ایک بیانیہ صنف بھی ہے، اس لیے افسانے میں تکنیک کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

افسانہ نگار جب خود کہانی بیان کرتا ہے تو اس میں آپ بیتی کا رنگ آجاتا ہے۔ ایسے افسانوں میں خود کلامی کا عنصر بھی حاوی ہوتا ہے ۔تکنیک میں افسانے کی ابتدا اور انتہا بھی خاص معنویت رکھتی ہے۔ افسانے کا آغاز ایسا ہونا چاہیے کہ وہ قاری کو فوراً اپنی گرفت میں لے لے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے کہ افسانے کا تعلق کس زماں اور مکاں (Time and Place) سے ہے۔کوئی بھی افسانہ وقت اور مقام کی قید سے آزادنہیں ہوسکتا۔

زبان کے سلسلے میں بھی ہر افسانے کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔افسانے کی زبان تخلیقی ہونی چاہیے۔ استعاراتی اور علامتی زبان کے استعمال میں احتیاط ضروری ہے کہ افسانے کا مقصد فوت نہ ہونے پائے اور افسانہ معمّا نہ بننے پائے۔

''افسانہ ایک ایسی نثری صنف ہے۔ جس میں کسی ایک واقعے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو کم سے کم لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ بیان کا ایسا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے کہ دلچسپی قائم رہے اور افسانہ کا مقصد بھی واضح ہو جائے، اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تاثر کی وحدت ہر حال میں برقرار رہے۔''

ڈراما

ڈراما بنیادی طور پر اسٹیج کا فن ہے ۔ڈراما لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اسے کر کے دکھایا جائے۔

ڈرامے کی روایت قدیم ہے۔ یہ ایک مقبول صنف ہے۔ داستان، ناول اور افسانہ کی زیادہ تر خوبیاں جیسے کردار نگاری، قصہ گوئی، مکالمہ نگاری، ڈرامے میں بھی پائی جاتی ہیں ۔مگر ڈراما ان سب سے الگ پہچان بھی رکھتا ہے۔ڈراما میں ہم جیتے جاگتے کرداروں کو عمل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ ڈراما نگار انھیں جس طرح پیش کرتا ہے، ہم انھیں اسی طرح قبول کرتے ہیں۔یعنی ناظرین سے اس کا سیدھا رشتہ قائم ہوجاتا ہے۔

"ڈرامہ وہ فن ہے جس میں ایک پلاٹ اور قصہ ہوتا ہے جو کرداروں، مکالموں اور اداکاری کے ذریعہ ناظرین کے روبرو عملی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔"

اسٹیج ڈراموں نے اب کافی ترقّی کرلی ہے۔یعنی اسٹیج ڈرامے کے علاوہ نکڑ ناٹک، ریڈیو ڈراما اور ٹیلی ویژن ڈرامے کی بھی ایک مستحکم روایت بن چکی ہے۔

نکڑ ناٹک: یہ اپنے نام کی مناسبت سے کسی چوراہے، بازار یا کسی بھی کھُلی ہوئی جگہ پر کھیلا جاتا ہے۔ ڈراما گروپ کے ذریعے پہلے گانا گا کر، ڈھول بجا کر یا اعلان کر کے بھیڑ جمع کی جاتی ہے۔ جب ناظرین جمع ہوجاتے ہیں تو پھر بھیڑ سے نکل کر کردار ڈراما پیش کرنے لگتے ہیں۔

ریڈیو ڈراما: ریڈیو ڈراما کا ناظرین کے بدلے سامعین سے رشتہ ہوتا ہے۔ یعنی کرداروں کی بات چیت صوتی تاثرات اور موسیقی کے وسیلے سے جو ڈراما ہم تک پہنچتا ہے اُسے ریڈیو ڈراما کہتے ہیں۔

ٹیلی ڈراما: ٹیلی ویژن ڈراما، متحرک تصویروں کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔

اردو کے اولین ڈرامے خورشیؔد اور واجد علی شاؔہ کے رہس ہیں۔ امانت کی 'اِندر سبھا'، بھی اسی زمانے میں لکھی گئی جو بے حد مقبول ہوئی۔ بعد میں پارسی تھیٹر کی وجہ سے اردو ڈرامے کو بہت فروغ ہوا۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے نصفِ اول میں احسن لکھنوی، پنڈت نرائن پرشاد بیتاب، طالب بنارسی ، آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے بہت مشہور ہوئے۔ امتیاز علی تاج کا ڈراما انارکلی پہلا معروف ادبی ڈراما ہے۔ بیسویں صدی میں پروفیسر محمد مجیب، ڈاکٹر عابد حسین اور فضل الرحمٰن کے ڈراموں نے غیر معمولی شہرت پائی۔ موجودہ دور میں حبیب تنویر، ابراھیم یوسف، ڈاکٹر محمد حسن اور ریوتی سرن شرما کے نام بہت معروف ہیں۔

مضمون

مضمون ایک غیر افسانوی نثری صنف ہے۔ اس صنف میں کسی موضوع پر مربوط انداز میں اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ مضمون نگار کسی بھی موضوع پر مضمون لکھ سکتا ہے۔ مضمون میں خیالات کا تسلسل ضروری ہے۔ موضوع کے اعتبار سے مضمون کی مختلف اقسام ہیں۔ جیسے: علمی، ادبی، سیاسی، سماجی، مذہبی اور معلوماتی مضامین وغیرہ۔

اردو میں مضمون نگاری کا آغاز انیسویں صدی کے وسط سے ہوا۔ سرسیّد اور ان کے معاصرین نے سماجی اصلاح کے ایک وسیلے کے طور پر مضمون لکھے۔ اس عہد میں عوام میں ذہنی بیداری پیدا کرنے کے لیے مضامین لکھے گئے۔ مولانا الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، محمد حسین آزاد، ذکاء اللہ اور امیر ناصر علی نے معاشرت، تہذیب، مذہب، ادب اور دیگر موضوعات پر مضامین لکھے۔ عبدالحلیم شرر نے تاریخی موضوعات پر مضامین لکھے۔ مولوی عبدالحق، مولانا ابوالکلام آزادؔ، وحید الدین سلیم اور سید سلیمان ندوی وغیرہ نے علمی و ادبی مضامین کے ساتھ تحقیقی، تنقیدی اور لسانی موضوعات پر بھی مضامین لکھے۔ مہدی افادی، سجاد انصاری، نیاز فتحپوری، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، منشی پریم چند، سجاد حیدر یلدرم، سلطان حیدر جوش، مجنوں گورکھپوری کے مضامین بھی بہت معروف ہیں اور وسیع حلقوں میں پسند کیے جاتے ہیں۔

مضمون نگاری کی صنف مقبولِ عام صنف ہے۔ اس میں کسی بھی موضوع پر اظہارِ خیال کی پوری آزادی حاصل ہے۔ اسی لیے مضمون نگاری کا فن مستقل ترقی کر رہا ہے اور آج بھی مختلف موضوعات پر عمدہ مضامین لکھے جا رہے ہیں۔

''مضمون نثر کی وہ صنف ہے جس میں کسی موضوع پر تسلسل کے ساتھ اس طرح اظہارِ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ایک مربوط تحریر بن جاتی ہے۔''

انشائیہ

انشائیہ نثری ادب کی ایک اہم صنف ہے ۔ یہ انگریزی کے Light Essay یا Personal Essay کی اردو شکل ہے۔ انشائیہ علمی یا معلوماتی مضمون سے مختلف ہوتا ہے۔ اس کا مقصد اطلاعات فراہم کرنا نہیں ہوتا اور نہ ہی مضمون کی طرح اس میں کسی خاص ترتیب کا خیال رکھا جاتا ہے بلکہ اس کا مقصد مسّرت اور لطف فراہم کرنا ہوتا ہے۔ انشائیہ میں مضمون کے برعکس جذبات اور تخیّل کا سہارا لیا جاتا ہے اور زندگی کے گہرے تجربات کو ہلکے پھلکے شگفتہ، دلکش اور تخلیقی انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ انشائیہ من کی ایک موج یا ایک جذباتی ترنگ ہے۔

''انشائیہ نثر کی وہ صنف ہے جس میں صاحب طرز ادیب کسی بھی خیال کو بے تکلفی کے ساتھ بغیر کسی منطقی ترتیب کے دلکش اور خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔''

سرسید احمد خاں، محمد حسین آزاد، خواجہ حسن نظامی، وزیر آغا وغیرہ اردو کے اہم انشائیہ نگار ہیں۔ اردو کے معروف مزاح نگاروں میں فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، شوکت تھانوی، پطرس بخاری، ملّا رموزی، شفیق الرحمٰن، مشتاق احمد یوسفی اور یوسف ناظم وغیرہ کے انشائیے بھی دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔

سوانح

سوانح میں عام طور پر کسی مشہور اور ممتاز ہستی کے حالاتِ زندگی اور اس کے کارناموں کی روداد بیان کی جاتی ہے۔ مواد کے اعتبار سے یہ تاریخ سے زیادہ قریب ہے کیوں کہ اس میں اُس شخص کی پیدائش سے وفات تک ، زندگی کے بیشتر واقعات ایک خاص ترتیب سے سامنے آتے ہیں۔ سوانح میں کسی شخص کی زندگی کے ساتھ ساتھ اس دور کی تاریخی سیاسی، معاشی اور معاشرتی صورت حال کا بیان بھی ہوسکتا ہے۔

اردو کے مختلف تذکروں میں بعض شعرا کے حالاتِ زندگی کا ذکر ہوجاتا تھا لیکن سوانح نگاری کو ایک صنف کی ادبی حیثیت حالی اور شبلی نے عطا کی۔ حالی نے 'حیاتِ سعدی'، 'یادگارِ غالب' اور حیاتِ جاوید جیسی سوانح عمریاں لکھیں۔ شبلی نعمانی نے مذہبی و تاریخی شخصیات کو سوانح عمریوں کا موضوع بنایا ۔ اس سلسلے میں ان کی مشہور سوانح 'المامون'، 'الفاروق'، 'سیرۃ النعّمان'، 'الغزالی' اور سیرۃ النّبیؐ ہے۔ 'سیرۃ النّبیؐ' کی تکمیل شبلی کے انتقال کے بعد سیّد سلیمان ندوی نے کی۔

منشی ذکاء اللہ ، عبدالرزاق کانپوری، عبدالحلیم شرر ، مولانا اسلم جیراج پوری، سید سلیمان ندوی، رئیس احمد جعفری، شیخ محمد اکرام ، عبدالسلام ندوی، غلام رسول مہر، سر رضا علی، اور قاضی عبد الغفار نے مذہبی، علمی، ادبی اور سیاسی شخصیات کی سوانح عمریاں لکھیں۔

بعض شخصیات نے اپنے حالاتِ زندگی خود تحریر کیے ہیں۔ ایسی سوانح نگاری کو آپ بیتی یا خودنوشت کہتے ہیں۔ اردو میں متعدد قلم کاروں اور سیاسی شخصیتوں نے آپ بیتیاں لکھیں ہیں ان میں مولانا محمد جعفر تھانیسری کی آپ بیتی ' کالا پانی' اور مولانا ابوالکلام آزاد کا 'تذکرہ' اور جوش ملیح آبادی کی 'یادوں کی برات'، اردو کی معروف خودنوشت سوانح عمریاں ہیں۔

خاکہ

خاکہ نگاری ایسی نثری صنف ہے جس میں کسی شخصیت کے نقوش اس طرح ابھارے جاتے ہیں کہ اس کی خوبیاں اور خامیاں اُجاگر ہوجاتی ہیں اور قاری کے سامنے ایک جیتی جاگتی تصویر آجاتی ہے ۔سوانح کے مقابلے میں خاکے میں کسی شخصیت کے حالاتِ زندگی کا بیان بالترتیب نہیں ہوتا بلکہ صرف وہ نقوش ہوتے ہیں جن سے اس کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ایک اچھّے خاکے میں جس شخص کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے اُس کی کمزرویوں یا خامیوں کا بیان اس طرح نہیں ہوتا کہ اُس شخصیت کی منفی تصویر سامنے آئے۔

ایک اچھّا خاکہ نگار شخصیت سے مرعوب ہوئے بغیر اس کی خوبیاں اور خامیاں دلچسپ اور شگفتہ انداز میں بیان کرتا ہے۔

اردو میں خاکہ نگاری کا باقاعدہ آغاز تو بیسویں صدی میں ہوا لیکن اُس سے پیشتر شعرا کے تذکروں میں بعض شعرا کی شخصیتوں کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ خاص طور پر محمد حسین آزاد کی کتاب '' آبِ حیات'' میں شعرا کی شخصیت کے جونقوش اُبھارے گئے ہیں وہ خاکہ نگاری سے بہت قریب ہیں۔

مرزا فرحت اللہ بیگ نے اپنے استاد کا خاکہ 'نذیراحمد کی کہانی کچھ ان کی اور کچھ میری زبانی' کےعنوان سے لکھا جو خاکہ نگاری کا شاہکار ہے۔مولوی عبدالحق ، رشیداحمد صدیقی، سعادت حسن منٹو،عصمت چغتائی،شوکت تھانوی، آغاحیدر حسن، شاہد احمد دہلوی،تخلص بھوپالی، اشرف صبوحی، احمد بشیر، محمد طفیل،یوسف ناظم اور مجتبیٰ حسین نے بڑی تعداد میں خاکے لکھے ہیں۔

رپورتاژ

رپورتاژ نثر کی ایک جدید صنف ہے۔ رپورتاژ فرانسیسی زبان کا لفظ ہے۔ اس سے مراد ہے کہ کسی حقیقی واقعے کی خبر یا رپورٹ اس طرح تیار کی جائے کہ اس میں افسانے کا انداز پیدا ہوجائے۔ اس لیے اسے صحافت اور افسانے کی درمیانی کڑی کہا گیا ہے۔ یعنی چشم دید واقعات اتنے دلچسپ انداز میں بیان کیے جائیں کہ سچا واقعہ کہانی سا لگے۔

ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر اس صنف کا فروغ ہوا۔ انجمن ترقّی پسند مصنفین کے جلسوں کی روداد حمید اختر نے افسانوی اور محاکاتی انداز میں تحریر کیں جو اخبار ہفت روزہ ''نظام'' میں شائع ہوئی۔ بظاہر یہ ان جلسوں کی رپورٹیں تھیں لیکن ان رپورٹوں میں قلم کار کے ذاتی تاثرات اور رنگ آمیزی نے انھیں ایک دلچسپ روداد بنا دیا۔ رپورتاژ نگار واقعات کو اتنے دلچسپ پیرائے میں پیش کرتا ہے کہ رپورتاژ انشائیہ اور خاکے کی حدوں کو چھولیتا ہے۔

سجاد ظہیر نے ''یادیں'' کے عنوان سے رپورتاژ لکھا۔ کرشن چندر، عادل رشید، عصمت چغتائی، خواجہ احمد عباس، شاہد احمد دہلوی، فکر تونسوی، ابراہیم جلیس، ممتاز مفتی، ظفر انصاری، قدرت اللہ شہاب، خدیجہ مستور جمنا داس اختر، صفیہ اختر اور قرۃ العین حیدر نے بھی رپورتاژ لکھ کر اس صنف کو استحکام بخشا۔

سفرنامہ

اردو نثر میں سفرنامے نے بھی اب ایک باضابطہ صنف کی حیثیت اختیار کر لی ہے یہ ایک ایسی صنف ہے جس میں مصنف اپنے سفر کے احوال اور تجربات تخلیقی انداز میں بیان کرتا ہے۔

سفرنامہ لکھنے کے لیے کوئی خاص اصول یا تکنیک متعین نہیں ہے۔مگر اسلوب ایسا ہونا چاہیے کہ پڑھنے والے کی دلچسپی قائم رہے۔ سفر کے دوران جو تجربات ، مشاہدات اور احساسات ہوتے ہیں، سفرنامہ لکھنے والا انھیں اپنی یادداشت کے لیے ڈائری کی شکل میں نوٹ کرتا رہتا ہے اور سفر ختم ہونے کے بعد انھیں کی مدد سے اپنا سفر نامہ مرتّب کرتا ہے۔ سفرنامے میں گاؤں شہروں ملکوں کی تاریخ، جغرافیہ، سیاسی، سماجی حالات ، موسم اور مناظر وہاں کے باشندوں کے رہن سہن ، کھانے، پینے کے طریقوں اور وہاں کی رسموں اور روایتوں کا ذکر ہوسکتا ہے۔ سفرنامہ لکھنے والا اکثر وبیشتر اپنے سفرنامے کو دلچسپ بنانے کے لیے رنگین بیانی، افسانہ طرازی، مبالغہ آرائی سے بھی کام لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سفرنامے کی اپنی مخصوص فضا ہوتی ہے۔

اردو کا پہلا سفرنامہ 'عجائبات فرنگ' 19 ویں صدی میں لکھا گیا اس کے مصنف یوسف خاں کمبل پوش تھے۔ سر سید احمد خاں، شبلی نعمانی، خواجہ حسن نظامی، عبدالماجد دریا آبادی، قاضی عبدالغفار، احتشام حسین، قرۃ العین حیدر، صالحہ عابد حسین ، رام لعل، ابن انشا، ممتاز مفتی، مستنصر حسین تارڑ، بیگم اختر ریاض نے دلچسپ اور معلومات افزا سفرنامے لکھے ہیں۔

شعری اصناف

غزل

اِن اشعار کو غور سے پڑھیے:

بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں

طبیعت اپنی گھبراتی ہے جب سنسان راتوں میں
ہم ایسے میں تری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں

خود اپنا فیصلہ بھی عشق میں کافی نہیں ہوتا
اسے بھی کیسے کر گزریں جو دل میں ٹھان لیتے ہیں

جسے صورت بتاتے ہیں پتا دیتی ہے سیرت کا
عبارت دیکھ کر جس طرح معنی جان لیتے ہیں

تجھے گھاٹا نہ ہونے دیں گے کاروبارِ الفت میں
ہم اپنے سر ترا اے دوست ہر احسان لیتے ہیں

فراقؔ اکثر بدل کر بھیس ملتا ہے کوئی کافر
کبھی ہم جان لیتے ہیں کبھی پہچان لیتے ہیں

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

یہ اشعار غزل سے لیے گیے ہیں۔

’’غزل اُردو کی سب سے مقبول صنف ہے۔ جس کا ہر شعر ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایجاز واختصار اس کی خوبی ہے۔ ردیف اور قافیے کی پابندی کے ساتھ غزل کی مخصوص ہیئت ہوتی ہے۔‘‘

غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے۔ جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ وہم ردیف ہوتے ہیں۔ اگر مطلع کے بعد والے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ وہم ردیف ہوں تو اُسے حسنِ مطلع کہتے ہیں۔ ایک غزل میں ایک یا دو سے زیادہ مطلع بھی ہوسکتے ہیں۔ اِسی طرح اشعار کی بھی کوئی تعداد مقرّر نہیں ہے۔ عام طور پر شاعر غزل کے آخری

شعر میں اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، اُسے 'مقطع' کہتے ہیں۔ غزل کا سب سے اچھا شعر شاہِ بیت کہلاتا ہے، اسے بیت الغزل بھی کہتے ہیں۔

قصیدہ

ان اشعار کو پڑھیے:

سمتِ کاشی سے، چلا جانبِ متھرا بادل — برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
خبر اڑتی ہوئی آتی ہے مہابن میں ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
نہ کُھلا، آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی — پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل
کبھی ڈوبی، کبھی اچھلی مہِ نو کی کشتی — بحرِ اخضر میں تلاطُم سے پڑی ہے ہل چل

یہ اشعار قصیدے سے لیے گئے ہیں۔ قصیدہ شاعری کی ایک اہم اور مشہور صنف ہے۔

''قصیدہ شاعری کی وہ صنف ہے۔ جس میں کسی کی تعریف یا مذمّت کی جاتی ہے۔ اس میں تخیّل کی بلندی اور مبالغہ آمیزی ہوتی ہے۔ بلند آہنگی اور پُرشکوہ الفاظ کا استعمال اس کی اہم خوبی ہے۔''

ہیئت کے اعتبار سے قصیدے کی دو قسمیں ہیں:

☆ خطابیہ: یہ قصیدہ براہِ راست مدح یا مذمت سے شروع ہوتا ہے۔

☆ تمہیدیہ: یہ قصیدہ براہِ راست اصل موضوع سے شروع نہیں ہوتا بلکہ اس میں پہلے تمہید کے طور پر کچھ اشعار شامل کیے جاتے ہیں۔

موضوع کے اعتبار سے قصیدے کی دو قسمیں ہیں:

☆ مَدحیہ: جس میں کسی کی تعریف کی جائے۔

☆ ہجویہ: جس میں کسی کی مذمت کی جائے۔

قصیدے کے اجزائے ترکیبی درجِ ذیل ہیں:

(1) تشبیب : شاعر تمہید کے طور پر جو اشعار کہتا ہے اسے تشبیب کہتے ہیں۔

(2) گُریز : وہ شعر جو تمہید اور مدح میں تعلق پیدا کرنے کے لیے کہے جاتے ہیں، انھیں 'گُریز' کہتے ہیں۔

(3) مدح : مدح میں ممدوح کی تعریف کی جاتی ہے اس تعریف میں اس کے جاہ و جلال، عدل وانصاف، شجاعت وسخاوت اور علم وفضل وغیرہ کا بیان کیا جاتا ہے۔

(4) حُسنِ طلب: شاعر کبھی کبھی ایسے اشعار بھی کہتا ہے جن کا مقصد ممدوح سے اعزاز واکرام طلب کرنا ہوتا ہے۔قصیدے کے آخر میں شاعر ممدوح کی سلامتی اور درازیٔ عمر کے لیے دعا کرتا ہے۔

مرثیہ

اس بند کو پڑھیے:

چلّائے بصد غم مِرے بھائی مِرے بھائی   کیا دل کا ہے عالم مِرے بھائی مِرے بھائی
کیوں چشم ہے پُرنم مِرے بھائی مِرے بھائی   اُکھڑا ہے ترا دم مِرے بھائی مِرے بھائی
سینے میں اجل سانس ٹھہرنے نہیں دیتی
ہچکی تمھیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی

یہ بند ایک مرثیہ سے لیا گیا ہے۔اس کا عنوان ہے ''شہادتِ عبّاس۔''

مرثیہ لفظ ''رثا'' سے بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں رونا، آہ و بکا کرنا۔ مرثیہ اس نظم کو کہتے ہیں، جس میں کسی مرنے والے کے اوصاف بیان کیے جائیں اور اس کی وفات پر رنج وغم کا اظہار کیاجائے۔ مرثیے کے لیے مسدس کی ہیئت مخصوص ہے۔ جس نظم میں واقعاتِ کربلا کا بیان ہو اسے مرثیہ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو مرثیے لکھے گئے ان کو شخصی مرثیے کا نام دیا گیا ہے، مثلاً حالی کا ''مرثیۂ غالب'' اقبال کا ''مرثیۂ داغ۔''

مرثیے کے اجزائے ترکیبی درج ذیل ہیں:

- چہرہ : مرثیے کی تمہید ہے اس جز میں، حمد، نعت، منقبت کے علاوہ مناظرِ صبح وشام، موسم کی شدت، دنیا کی بے ثباتی وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔
- سراپا : اس جز میں جس شخص پر مرثیہ لکھا جارہا ہے اس کے حسن وجمال اور دیگر صفات کا ذکر کیا جاتا ہے۔
- رخصت: اس جُز میں ہیرو اپنے عزیزو اقارب سے جنگ میں جانے کے لیے رخصت لیتا ہے۔
- آمد : اس جُز میں ہیرو کے شان وشوکت کے ساتھ میدانِ جنگ میں آنے کا منظر پیش کیا جاتا ہے۔
- رجز : اس جُز میں ہیرو اپنے خاندان کی تعریف وتوصیف اور اپنی بہادری اور مہارت کا ذکر کرتا ہے۔
- جنگ : اس جُز میں ہیرو مقابل فوج سے شجاعت اور دلیری کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ ہیرو کے گھوڑے اور تلوار کی تعریف بھی کی جاتی ہے۔
- شہادت: اس جز میں میدانِ جنگ میں ہیرو دشمن سے لڑتے لڑتے شہید ہوجاتا ہے۔ شہادت کا بیان شاعر دردمندانہ اور موثر انداز میں کرتا ہے۔
- بین : مرثیے کا یہ جُز سب سے اہم ہے جس میں ہیرو کی میّت پر عزیزو اقارب خاص طور پر عورتیں شہید ہونے والے کی خوبیوں کو بیان کرکے گریۂ و ماتم کرتی ہیں۔

مرثیے کے لیے مذکورہ اجزا متعین ہیں تاہم ایسے بھی مرثیے لکھے گئے ہیں، جن میں ان اجزا کی پابندی نہیں کی گئی ہے۔

مثنوی

ان اشعار پر غور کیجیے:

گُل چیں کا جو اب پتا ملا ہے — یوں شاخِ قلم سے گُل کھِلا ہے
وہ بادِ چمن، چمن خراماں — یعنی وہ بکاوَلی پرِیشاں
گلشن سے جو خاک اُڑاتی آئی — اس شہر میں آتی، آتی آئی
دیکھا تو خوشی کے چہچہے تھے — گُل چیں کے شگوفے کِھل رہے تھے
گلبانگ زَناں تھا جو جہاں تھا — ایک ایک ہزار داستاں تھا

یہ اشعار مثنوی سے لیے گئے ہیں۔

''مثنوی لفظ ''ثنی'' سے بنا ہے۔ جس کے لغوی معنی دو کے ہوتے ہیں۔ مثنوی مسلسل اشعار کے اس مجموعے کو کہتے ہیں جس میں شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کا قافیہ بالعموم الگ ہوتا ہے۔ اس میں اشعار کی تعداد مقرّر نہیں ہوتی۔''

مثنویاں طویل اور مختصر دونوں قسم کی ہوتی ہیں۔ طویل مثنویوں میں عموماً آٹھ اجزا ہوتے ہیں۔ حمد و مناجات، نعت، منقبت، حاکمِ وقت کی مدح، اپنی شاعری کی تعریف، مثنوی لکھنے کا سبب، قصّہ یا واقعہ اور خاتمہ۔ لیکن ہر مثنوی میں یہ تمام اجزا لازمی حیثیت نہیں رکھتے۔ مثنوی میں ہر قسم کے مضامین کی گنجائش ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر عشقیہ کہانیاں، اخلاقی اور متصوفانہ یا کسی معاشرے کے احوال یا افراد کی تعریف و تنقیص، نصیحت و رہنمائی، جنگ اور مُہم جوئی کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ میر حسؔن کی ''سحر البیان''، دیا شنکر نسیؔم کی

''گلزارِ نسیم''، اور نواب مرزا کی ''زہرِ عشق'' اہم مثنویاں ہیں۔ حالی کی ''مناجاتِ بیوہ'' اور علی سردار جعفری کی ''مثنویٔ جمہور'' اور علّامہ اقبال کی ''ساقی نامہ'' مثنوی کی ہیئت میں بعض معروف نظمیں بھی ملتی ہیں۔

رُباعی

ان اشعار کو پڑھیے:

یہ کیا کہ حیاتِ جاودانی کیا ہے
پہلے دیکھو جہانِ فانی کیا ہے
اس فکر میں ہو کہ موت کیا شے ہے رواںؔ
یہ بھی سمجھے کہ زندگانی کیا ہے

یہ ایک رُباعی ہے۔

''رُباعی چار مصرعوں پر مشتمل ایک مختصر نظم ہوتی ہے۔ اس کا پہلا دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے۔ تیسرا مصرعہ بھی ہم قافیہ ہوسکتا ہے۔ یہ بحرِ ہزج میں کہی جاتی ہے اور اس کے لیے 24 اوزان مقرر کیے گئے ہیں۔''

رُباعی کا چوتھا مصرعہ بہت پُر زور ہوتا ہے اس میں مختلف قسم کے مضامین، جیسے فلسفہ، اخلاق، رندی، سرمستی، مذہب وتصوف، وعظ و پند، حسن وعشق کے علاوہ شاعر کے تجربات اور مشاہدات بیان کیے جاتے ہیں۔

قطعہ

یہ اشعار پڑھیے:

دھوپ اور مینہ

ہلکی ہلکی پھوار کے دوران میں
دفعتاً سورج جو بے پردہ ہوا
میں نے یہ جانا کہ وحشت میں کوئی
روتے روتے کِھل کِھلا کر ہنس پڑا

یہ ایک قطعہ ہے۔

''قطعہ کے لغوی معنی کسی شے کے ٹکڑے یا حصّے کے ہیں۔ قطعہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی مضمون کا مسلسل بیان ہو۔ اس میں کم سے کم دو شعر ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اشعار کی تعداد مقرّر نہیں ہے۔ عام طور پر اس میں مطلع نہیں ہوتا اور شعر کا دوسرا مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے۔ اس میں شاعر تسلسل کے ساتھ ایک ہی کیفیت یا خیال بیان کرتا ہے۔''

کبھی کبھی شعرا اپنی غزلوں میں بھی ''قطعہ بند'' اشعار شامل کر لیتے ہیں جن میں ایک ہی خیال کو دو یا دو سے زیادہ شعروں میں نظم کیا جاتا ہے۔ مثلاً: میرؔ کی غزل میں شامل ایک قطعہ حسبِ ذیل ہے۔

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا — یکسر وہ استخوان شکستوں سے چوُر تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہِ بے خبر — میں بھی کبھو کسو کا سرِ پُر غرور تھا

نظم

نظم کے یہ اشعار پڑھیے:

سورج نے دیا اپنی شُعاعوں کو یہ پیغام
دنیا ہے عجب چیز کبھی صبح، کبھی شام
مدّت سے تم آوارہ ہو پہنائے فضا میں
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہری ایّام
نے ریت کے ذرّوں پہ چمکنے میں ہے راحت
نے مثلِ صبا طوفِ گُل ولالہ میں آرام
پھر میرے تجلّی کدۂ دل میں سما جاؤ
چھوڑو چمنستان و بیابان و درو بام

یہ اشعار اقبالؔ کی نظم 'شُعاعِ امید' سے لیے گئے ہیں۔

''نظم شاعری کی اس صنف کو کہتے ہیں جس میں ایک ہی موضوع پر تسلسل کے ساتھ اظہارِ خیال کیا جائے یا ایک ہی تجربے کا بیان ہو یا ایک ہی واقعہ نظم کیا جائے۔ نظم کی سب سے بڑی خوبی خیال کی وحدت ہے۔ عام طور پر ہر نظم کا کوئی عنوان ہوتا ہے۔''

ہیئت کے اعتبار سے نظم کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

- پابند نظم: ''وہ نظم ہے جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترتیب میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہو۔''

- نظم معریٰ: ’’وہ نظم ہے جس کے تمام مصرعے برابر کے ہوں مگر ان میں قافیے کی پابندی نہ ہو۔‘‘
- آزاد نظم: ’’ایسی نظم ہے جس میں قافیے و ردیف کی پابندی نہیں ہوتی اور اس کے ارکانِ بحر میں کمی بیشی ہوسکتی ہے، اس کی وجہ سے اس کے مصرعے چھوٹے بڑے ہوجاتے ہیں۔‘‘
- نثری نظم: ’’یہ نظم چھوٹی، بڑی سطروں پر مشتمل ہوتی ہے، اس میں نہ تو ردیف وقافیہ کی پابندی ہوتی ہے اور نہ وہ بحر وزن کی۔‘‘

حصّہ (د)

انشا نگاری

درخواست نویسی

ذیل میں درخواست کا ایک نمونہ دیا جارہا ہے۔ اس کے خاکے پر غور کیجیے:

تاریخ: یکم جنوری، 2011

بخدمت پرنسپل صاحب

گورنمنٹ سینیئر سیکنڈری اسکول

بلّی ماران، دہلی

موضوع: دو دن کی رخصت کی درخواست

جنابِ عالی

عرض ہے کہ ماہ جنوری کی 12 اور 13 تاریخ کو ممبئی میں اپنے ایک قریبی رشتے دار کی شادی ہے۔ مجھے اپنے والدین کے ساتھ اس تقریب میں شریک ہونا ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ ان تاریخوں میں اسکول سے مجھے رخصت عنایت فرمائیں۔

شکریہ

آپ کا فرماں بردار شاگرد

کلیم الدین

جماعت دہم

درخواست لکھتے وقت ذیل کی باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

- صفحے کی دائیں طرف جس کے نام درخواست لکھی جارہی ہے، اس کا عہدہ اور پتا،
- اس کے بعد کم سے کم لفظوں میں مقصد کی وضاحت،
- محترم/محترمہ/ جناب وغیرہ لفظوں سے تخاطب،
- چند سطروں میں درخواست کے مقصد کی تفصیل،
- آخر میں بائیں جانب درخواست لکھنے والے کا نام، دستخط اور جماعت،

خط نویسی

اس خط کو غور سے پڑھیے:

بی، 26/10

سکنڈ فلور

اوکھلا وہار، جامعہ نگر، نئی دہلی

تاریخ: یکم جون، 2011

جناب والد صاحب! امّی جان

السّلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ آپ لوگ خیریت سے ہیں، پڑھ کر خوشی ہوئی۔ یہاں رہائش کا مناسب انتظام ہو گیا ہے اور مکان مالک مناسب قیمت پر کھانا بھی فراہم کر دیتے ہیں۔

داخلہ کی ساری کارروائیاں پوری ہو گئی ہیں اور کلاس کا بھی آغاز ہو چکا ہے۔ یہاں کے استاد بہت اچھا پڑھاتے ہیں۔ میری طرح باہر سے آئے ہوئے کچھ دوست بھی مل گئے ہیں، جس کے سبب اجنبیت محسوس نہیں ہوتی ہے۔

دلّی بہت بارونق شہر ہے۔ یہاں بہت چہل پہل رہتی ہے اور روشنیوں سے جگمگاتے ہوئے بازار ہیں۔ کچھ روز پہلے میں لال قلعہ، جامع مسجد اور قطب مینار وغیرہ دیکھنے گیا تھا۔ انھیں دیکھ کر مجھے تاریخ کے بارے میں بہت دلچسپ معلومات حاصل ہوئیں۔

میرے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اسلم کو سلام اور شہناز کو پیار۔

آپ کا فرماں بردار بیٹا

سلیم احمد

یہ ایک خط ہے۔ خط کو مکتوب بھی کہا جاتا ہے۔

خط لکھنے والے کو مکتوب نگار اور جس کے نام خط لکھا گیا ہو اسے مکتوب الیہ کہتے ہیں۔

خط کے چار حصّے ہوتے ہیں۔ داہنی طرف ایک گوشے میں پتا اور تاریخ درج ہے جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ خط کہاں سے اور کب لکھا گیا۔

دوسرے حصّے میں کسی کو مخاطب کر کے اس کے لیے ایک تعظیمی فقرہ استعمال کیا گیا ہے۔

تیسرا حصّہ خط کا اصل حصّہ ہے۔ جس میں مدعا بیان ہوا ہے۔ اسے نفسِ مضمون کہا جاتا ہے۔

چوتھا حصّہ خاتمے کا ہے جو بائیں طرف ہے جس میں مکتوب نگار کا نام اور مکتوب الیہ سے اس کے تعلق اور رشتے کا اظہار ہوتا ہے۔

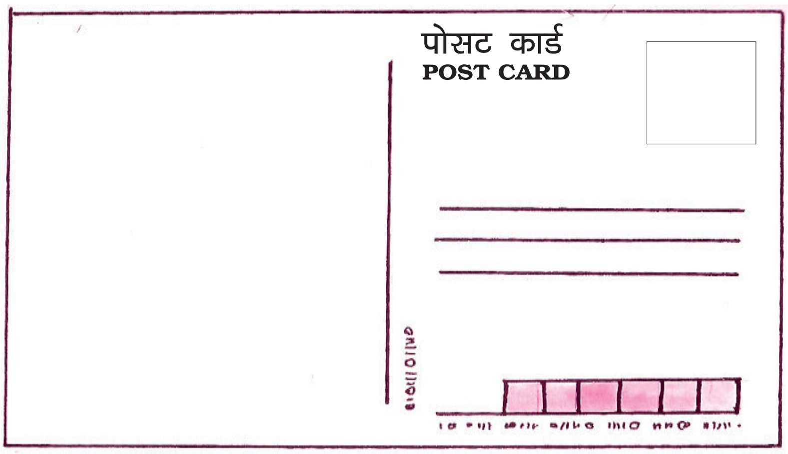

مضمون نویسی

درج ذیل نمونے پر غور کیجیے:

(الف) 'پھول' کو موضوع بنا کر مضمون لکھنا ہو تو ان نکات پر توجہ دی جا سکتی ہے:

- پھولوں کی اہمیت
- مختلف موسموں میں پھولوں کی پیداوار
- مختلف رنگوں اور خوشبوؤں والے پھول
- گلاب کی خصوصی اہمیت
- پھولوں کا مصرف
- خلاصہ

(ب) 'اسکول میں یوم جمہوریہ منائے جانے' پر مضمون لکھنے کے لیے اشارے:

- یوم جمہوریہ کی تاریخی و قومی اہمیت
- مادرِ وطن کے لیے اپنے فرائض کی یاددہانی
- اسکول میں جشن کس طرح منایا گیا
- قومی پرچم لہرانے کے طریقے اور اس کی عقیدت کا بیان
- پریڈ کی اہمیت
- قومی ترانہ
- پرچم کشائی کے بعد کی تقریر کا حوالہ
- جشنِ جمہوریہ کے موقعے پر ہونے والی تقریبات کا حوالہ
- خلاصہ

خبر نویسی

اخبار میں چھپنے والی ان خبروں کو توجہ سے پڑھیے:

بھوپال میں طیارہ حادثہ ٹلا

۴۰ جانیں بچ گئیں

بھوپال، (ایجنسی) آج صبح راجہ بھوج ہوائی اڈہ پر اترتے ہوئے جٹ ایرویز کے ایک طیارہ کے اگلے پہیہ میں ایک تکنیکی خرابی کی بروقت نشاندہی ہونے سے ایک بڑا حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ ایرپورٹ کے ذرائع کے مطابق جٹ ایرویز کا طیارہ (9ڈبلو 2509) ممبئی سے اندور، بھوپال اور رائے پور ہوتے ہوئے حیدرآباد جا رہا تھا کہ بھوپال میں اترتے ہوئے اسے جھٹکا لگا کیونکہ اگلے پہیہ کا ایکسل اچانک ٹوٹ گیا تھا۔

تاہم پائلٹ نے اپنے اعصاب پر قابو رکھا اور طیارہ کو کنٹرول سے باہر ہونے نہیں دیا اور رن وے پر کچھ دوری پر اسے روکنے میں کامیاب رہا۔ اس میں سوار بھی 33 مسافر اور عملہ کے سات افراد محفوظ تھے اور مسافروں کو قریب کے ایک ہوٹل میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ جٹ ایرویز کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے فون پر یو این آئی کو بتایا کہ پہیے کی مرمت کی جا رہی ہے اور اگر اس میں کامیابی نہ ملی تو مسافروں کے لئے کوئی متبادل انتظام کیا جائے گا۔

شہزادی ڈائنا کا جوڑا دو لاکھ 76 ہزار میں نیلام ہوا

لندن: برطانیہ کے شہزادہ چارلس کے ساتھ رشتہ کے بعد شہزادی ڈائنا تافتہ نامی جو جوڑا پہن کر عوام کے سامنے آئی تھیں وہ کل لندن میں دو لاکھ 76 ہزار ڈالر میں نیلام کیا گیا۔ نیلام کرنے والے کیری ٹیلر نے اس جوڑے کو نہایت خوبصورت بتاتے ہوئے کہا کہ اس جوڑے کے تیس سے پچاس ہزار پاؤنڈ میں نیلام ہونے کی امید تھی لیکن یہ ڈریس اس سے چار گنا زیادہ رقم میں نیلام ہوئی۔ ٹیلر کی جانب سے جاری بیان کے مطابق ڈائنا نے اپنے رشتہ کی بات شروع ہونے سے کئی ہفتہ پہلے اپنا وزن کافی کم کیا تھا اور یہ تافتہ ڈریس انہیں کافی ڈھیلا ہو گیا تھا۔ ڈائنا نے یہ ڈریس فٹ کرنے کے لیے ڈیزائنر الیزابتھ ایمینوئل کو دیا تھا۔

ان خبروں سے خبر نویسی کی چند خصوصیات واضح ہوتی ہیں:

- خبر کی سرخی جو کہ خبر کا نچوڑ ہوتی ہے۔
- واقعہ کب ہوا، کہاں ہوا، کیوں ہوا اور کیسے ہوا۔
- خبر کے اہم نکات کی وضاحت۔

’’خبر نگاری خبر لکھنے کا فن ہے جو کسی واقعے یا حادثے کا حقیقی بیان ہوتا ہے۔‘‘

اس لیے خبر لکھتے وقت بات اُلجھی ہوئی نہیں ہونا چاہیے۔ بات گھما پھرا کر یا بڑھا چڑھا کر کی جائے تو خبر حقیقت سے دور ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ خبر صداقت یا حقیقت پر مبنی ہو، کہانی نہ بن جائے۔ خبر میں ذاتی پسند اور ناپسند اور تجزیے سے گریز کیا جانا ضروری ہے۔ خبر کی زبان آسان اور سادہ ہونی چاہیے۔

اشتہار نویسی

اس پر نظر ڈالیے:

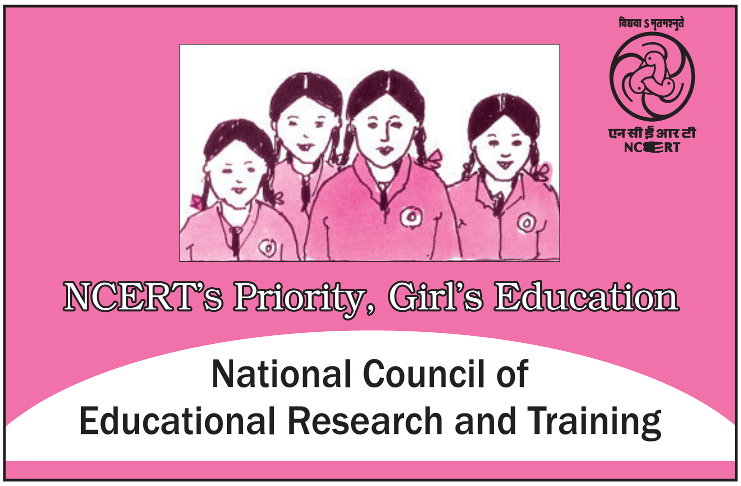

آج کا دور تشہیر کا دور ہے۔ مختلف قسم کے اشتہارات ہمیں اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

خبر نویسی کی طرح اشتہار نویسی کا تعلق بھی پیشہ ورانہ صحافت سے ہے۔ ٹی وی، اخبارات، انٹرنیٹ، پوسٹر اور ہورڈنگ وغیرہ اشتہار کے ذرائع ہیں۔

اشتہار میں تصویر کے ساتھ تحریر کا بھی حصّہ ہوتا ہے۔

اشتہار کی عبارت مختصر اور دلچسپ ہونی چاہیے۔ عبارت میں استعمال کیے جانے والے جملوں میں اگر موزونیت ہو تو اشتہار آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

ذیل کے فقرے اسی کی مثال ہیں:

- ہم دو، ہمارے دو
- دو بوند زندگی کی
- زندگی کے ساتھ بھی، زندگی کے بعد بھی
- سب پڑھیں، سب بڑھیں
- آؤ اسکول چلیں

حصّہ (۵)

قواعد کی اصطلاحات

قواعد کی اصطلاحات

Subjunct	احتمال
Interrogative Sentence	استفہامی جملہ
Noun	اسم
Diminutive Noun	اسمِ تصغیر
Collective Noun	اسمِ جمع
Participial Noun	اسمِ حالیہ
Action Noun	اسمِ حرکت
Proper Noun	اسمِ خاص (معرفہ)
Common Noun	اسمِ عام
Numeral Noun	اسمِ عددی
Agent Noun	اسمِ فاعل
Abstract Noun	اسمِ مجرّد
Gerund	اسمِ مصدر
Denominative	اسمی

Nominal Sentence	اسمی جملہ
Substantive Verb	اسمی فعل
Nominal Phrase	اسمی فقرہ
Derivation	اشتقاق
Indicative Mood	اشاری طور
Derivational	اشتقاقی
Etymology	اشتقاقیات
Term	اصطلاح
Terminology	اصطلاحات
Possessive	اضافی
Genitive Case	اضافی حالت
Possessive Compound	اضافی مرکّب
Parts of Speech	اقسامِ کلمہ
Unit	اکائی
Additive	الحاقی
Additive Clause	الحاقی فقرہ
Auxiliary	امدادی
Auxiliary Verb	امدادی فعل
Imperative	امر

Active Imperative	امرِ معروف
Imperative Sentence	امری جملہ
Imperative Mood	امری طور
Potential Subjunctive	امکانی شرطی
Potential Mood	امکانی طور
Composition	انشا
Disjunction	انفصال
Disjunctive Pronoun	انفصالی ضمیر
Disjunctive Conjuction	انفصالی عطف
Native Speaker	اہلِ زبان
Principal Clause	اہم بنیادی فقرہ
Affirmative	ایجابی
Affirmative Conjuction	ایجابی عطف
Regular Verb	باقاعدہ فعل
Idiomatic	بامحاورہ
Basic Sentence	بنیادی جملہ
Narrative Sentence	بیانیہ جملہ
Inanimate Gender	بے جان جنس
Complex Sentence	پیچیدہ جملہ

Sub ordinate	تابع
Sub ordinate Clause	تابع فقرہ
Emphatic Pronoun	تاکیدی ضمیر
Emphatic Mood	تاکیدی طور
Feminization	تانیث
Dual Number	تثنیہ عدد
Analysis	تجزیہ/تحلیل
Restrictive Clause	تحدیدی جملہ
Definite Article	تخصیصی حرفِ تعریف
Progressive Tense	تدریجی زمانہ
Pedagogical Grammar	تدریسی قواعد
Word Order	ترتیبِ الفاظ
Ordinal Number	ترتیبی عدد
Translation	ترجمہ
Parsing	ترکیبِ صرفی
Conjunction Construction	ترکیبِ عطفی
Active Construction	ترکیبِ معروف
Declension	تصریف
Diminutive	تصغیری

تصغیری لاحقہ	Diminutive Suffix
تعداد	Number
تعلیقیت	Affixation
تعیّنی فقرہ	Determinative Clause
تفاعلی فعل	Functional Verb
تفضیلِ کُل	Superlative Degree
تکملہ	Complement
تکمیلی کیفیت	Completive Aspect
تلازمہ	Correlative
تلفّظ	Pronunciation
تمامی کیفیت	Perfective Aspect
تمنائی طور	Optative Mood
تمیز (متعلق فعل)	Adverb
تمیزی	Adverbial
تمیزی موصولی	Relative Adverb
توصیفی / وصفی	Attributive
توصیفی حالت	Adjectival Case
توصیفی صفت	Attributive Adjective
جارِ مقدم	Preposition

Post Position	جارِ موخّر
Animate	جاندار
Plural	جمع
Plural of Plural	جمع الجمع
(Generous Plural)	
Sentence	جملہ
Interrogative Sentence	جملۂ استفہامیہ
Imperative Sentence	جملۂ امریہ
Complete Sentence	جملۂ تام
Conditional Sentence	جملۂ شرطیہ
Gender	جنس
Gender Noun	جنس اسم
Masculine Gender	جنس مذّکر
Neuter Gender	جنسِ مشترک
Feminine Gender	جنس مؤنث
Verbal Noun	حاصلِ مصدر
Second Person	حاضر
Case	حالت
Comparative Case	حالتِ تفضیلی

Subjective Case	حالتِ فاعلی
Absolute Case	حالتِ مُطلق
Accusative Case	حالتِ مفعولی
Relational Case	حالتِ موصولی
Participial / Participle	حالیہ
Imperfect Participle	حالیۂ استمراری
Past Participle	حالیۂ تمام
Verbal Adjective	حالیۂ صفت
Present Participle	حالیۂ ناتمام
Definite Article	حرفِ تعریف
Indefinite Article	حرفِ تنکیر
Conjunct/ Conjunction	حرفِ ربط ،حرف عطف
Augmentive	حرفِ مبالغہ/تکبیر
Negative Particle	حرفِ نہی
Sur-name	خاندانی نام
Predicate	خبر (جملے کے باقی ماندہ اجزا)
Complete Predicate	خبر تام
Predicative	خبری
Predicative Adjective	خبری صفت

Degree	درجہ
Superlative Degree	درجۂ تفضیلِ کُل
Permansive Present	دوامی حال
Permansive Aspect	دوامی کیفیت
Vernacular	دیسی بولی
Native Word	دیسی لفظ
Vocabulary	ذخیرۂ الفاظ
Instrumental Case	ذریعی حالت
Bilingual	ذولسانی
Animate	ذی روح
Animate Gender	ذی روح جنس
Link Language	رابطۂ زبان
Connective	ربطی
Script	رسمِ خط
Language	زبان
Tense	زمانہ
Present Tense	زمانۂ حال
Past Tense	زمانۂ ماضی

زمانۂ مستقبل	Future Tense
زمانۂ ناتمام	Imperfect Tense
زمانی	Temporal
زمرہ	Category
سابقہ	Prefix
ساخت	Structure
سببی	Causative
سببی حالت	Causative Case
سببی فقرہ	Causal Clause
سرکاری زبان	Official Language
سوالیہ نشان	Question Mark
سیاق وسباق	Context
سیّاقی معنی	Contextual Meaning
شخص/ضمیر	Person
شرطی احتمالی	Subjunctive
شرطی طور	Conditional Mood
شرطیہ فقرہ	Conditional Clause
شماری اسم	Countable Noun

صرف	Morphology
صفت	Adjective
صفتِ تفضیلی	Comparative Adjective
صفت عددی	Adjective Numeral
صفت کُل/صفت تفصیل	Superlative Numeral
صفتِ مطلق	Absolute Adjective
صفتِ معطوفہ	Coordinated Adjective
صفتی	Attributive
صوت رکن	Syllable
ضمیر	Pronoun
ضمیر استفہامیہ	Interrogative Pronoun
ضمیرِ اشارہ	Demarcative Pronoun
ضمیر تاکیدی	Intensive Pronoun
ضمیر راجع	Reciprocal Pronoun
ضمیر شخصی	Personal Pronoun
ضمیر عددی	Numeral Pronoun
ضمیر عطفی	Conjunctive Pronoun
ضمیر غائب	Third Person
ضمیر مطلق	Definite Pronoun

Reflexive Pronoun	ضمیر معکوس
Relative Pronoun	ضمیر موصولہ/موصولی
Indefinite Pronoun	ضمیر نکرہ
Pronominal	ضمیری
Pronominal Adverb	ضمیری متعلق فعل
Voice/Mood	طور
Imperative Mood	طورِ امریہ
Passive Voice	طورِ مجہول
Active Voice	طورِ معروف
Modality	طوریت
General Meaning	عام معنی
Slang	عامیانہ بولی
Number /Numeral	عدد/عددی
Dual Number	عدد تثنیہ
Collective Number	عدد جمع
Cardinal Number	عددِ مطلق
Numeral Adjective	عددی صفت
Conjunct	عطف
Positive Conjunction	عطفِ اثباتی

Affirmative Conjunction	عطفِ ایجابی
Correlative Conjunction	عطفِ ترتیبی
Connective Conjunction	عطفِ ربطی
Temporal Conjunction	عطفِ زمانی
Negative Conjunction	عطفِ منفی
Conjunctive	عطفی
Coordination	عطفی ترتیب
Regionalism	علاقائیت
Symbol	علامت
Orthography	علم ہجا
Third Person	غائب
Stative Verb	غیر حرکی فعل
Oblique	غیر فاعلی
Oblique Case	غیر فاعلی حالت
Substandard	غیر معیاری
Agent/ Subject	فاعل
Direct/ Subjective	فاعلی
Nominative Case/ Direct Case	فاعلی حالت
Agentive Nominal	فاعلی اسمیہ

Exclamatory Sentence	فجائیہ جملہ
Exclamation Mark	فجائیہ نشان
Dictionary/ Glossary	فرہنگ
Natural Gender	فطری جنس
Verb	فعل
Intransitive Verb	فعلِ لازم
Transitive Verb	فعلِ متعدی
Causative Verb	فعلِ متعدی بالواسطہ
Predicate Verb	فعلِ مُسند
Active Verb	فعلِ معروف
Reflexive Verb	فعلِ معکوس
Defective Verb	فعلِ ناقص
Verb Phrase	فعلی ترکیب
Verbal Sentence	فعلی جملہ
Clause	فقرہ
Participial Phrase	فقرۂ حالیہ
Coordinate Clause	فقرۂ معطوفہ
Popular Word	قبولِ عام لفظ
Grammar	قواعد

Grammarian	قواعد داں
Grammatical	قواعدی
Grammatical Analysis	قواعدی تجزیہ
Grammatical Order	قواعدی ترتیب
Parentheses	قوسین
Parenthetical Clause	قوسینی فقرہ
Multilingual	کثیر لسانی
Key Word	کلیدی لفظ
Aspect	کیفیت
Conjugation	گردان
Suffix	لاحقہ
Linguistics	لسانیات
Dictionary	لغت
Lexical Meaning	لغوی معنی
Word	لفظ
Word Order	لفظی ترتیب
Parental Language	ماخذی زبان
Mother Tongue	مادری زبان

Root	مادّہ
Past	ماضی
Past Perfect	ماضی بعید
Preterite	ماضی مطلق
Apposition	مبدّل مِنہ
Synonym	مترادف
Obsolete	متروک
Antonym	متضاد
Adnominal	متعلق اسم
Adverb	متعلقِ فعل
Adjunct	متعلقہ
First Person	ضمیر متکلم
Figurative Meaning	مجازی معنی
Passive	مجہول
Idiom	محاورہ
Finite Verb	محدود فعل
Narrowed Meaning	محدود معنی
Abbreviation	مخفّف
Mixed Language	مخلوط زبان

Masculine	مذکر
Dead Word	مردہ لفظ
Compound	مرکب
Intensive Compound	مرکب تاکیدی
Compound Sentence	مرکب جملہ
Compound Verb	مرکب فعل/فعلی
Compound Word	مرکب لفظ
Borrowed Word	مستعار/ دخیل لفظ
Future	مستقبل
Future Perfect	مستقبل تمام
Simple Future	مستقبل مطلق
Predicate	مُسند
Predicate Noun	مسند اسم
Predicate Adjective	مسند صفت
Predicative Adjective	مسندی صفت
Predicating Word	مسندی لفظ
Common Case	مشترک حالت
Derivetive Word	مُشتق لفظ
Infinitive	مَصدر

مُضارع	Aorist
مطلق طور	Absolute Mood
معیاری زبان	Standard Language
معین ضمیر	Definite Pronoun
مفردِ خبر	Simple Predicate
مفعول	Object
مفعولِ اوّل	Direct Object
مفعولِ ثانی	Indirect Object
مفعولی	Objectival
مفعولی حالت بالواسطہ	Dative Case
مفعولی حالت بلا واسطہ	Accusative Case
مفہوم	Sense
مکانی حالت	Locative Case
مکمل جز	Complete Predicate
ممنوع لفظ	Taboo Word
مُمیّزی حالت	Partitive Case
ممیّزی عدد	Partitive Numeral
منفی کیفیت	Negative Aspect
موصولی تمیز	Relative Adverb

Relative Clause	موصولی فقرہ
Feminine	مؤنث
Imperfective Aspect	ناتمامی کیفیت
Vocative Case	ندائی حالت
Transliteration	نقلِ لفظ
Paradigm	نمونہ
Singular	واحد
First Person Singular	واحد متکلم
Infix	وسطیہ
Attribute	وصف
Spelling	ہجّے
Monolingual	یک لسانی